خسرانِ مبین

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًاo اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًاo﴾ [الکھف:۱۰۳، ۱۰۴]

''کہہ دیجیے: کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں۔ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔''

گویا جو بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے یا انھیں یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کوئی بھی عمل انجام دینا چاہے گا تو اس کا ایسا عمل عنداللہ ناقابل قبول اور مردود ٹھہرے گا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات آپ ﷺ کی ساری نبوی زندگی سے عبارت ہیں، چنانچہ ہر ایسا عمل جو آپ ﷺ نے انجام نہ دیا ہو، نہ اس کی طرف راہنمائی فرمائی ہو اور نہ ہی وہ کام آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوا اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا ہو، خسران کا موجب اور کارِ بے فائدہ سمجھا جائے گا۔ بہ صورت دیگر یہ شبہ تقویت پکڑے گا کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ نے حقِ رسالت ادا نہیں فرمایا جب کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ باعث تقربِ الٰہی ہر نیکی کی وضاحت اور موجبِ غضبِ الٰہی ہر کارِ رائیگاں سے منع فرما چکے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ

(مہتمم دارالحدیث جامعہ کمالیہ راجووال)

کی وفات پر قرار دادِ تعزیت

دارالدعوۃ السّلفیہ (شیش محل روڈ، لاہور) کے اراکین مجلس عاملہ نے جماعت اہل حدیث کے ممتاز عالم دین، استاذ الاساتذہ، علم وعلماء کے دیرینہ خادِم اور دارالحدیث جامعہ کمالیہ (راجووال، ضلع اوکاڑا) کے مہتمم حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات پر ان کی تدریسی، تبلیغی اور علمی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مولانا رحمہ اللہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین۔ ہم ان کے صاحبزادگان: مولانا حافظ ڈاکٹر عبدالرحمٰن یوسف، حافظ عبیداللہ احسن اور پروفیسر ڈاکٹر عبیدالرحمٰن محسن سے اظہارِ تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ان کی مدد واعانت فرمائے کہ وہ حضرت موصوف کے لگائے ہوئے گلشنِ علم کی آبیاری کرتے رہیں۔ آمین یارب العالمین!

تعزیت کنندگان

❁ حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ خان المدنی ❁ مولانا محمد ابوبکر صدیق السّلفی ❁ مولانا محمد اسحاق بھٹی ❁ حضرت مولانا ارشاد الحق اثری ❁ حافظ احمد شاکر ❁ پروفیسر ڈاکٹر سعید اقبال قریشی ❁ پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی ❁ چوہدری جمیل احمد ❁ چوہدری نعیم صادق ایڈووکیٹ ❁ ملک عصمت اللہ ❁ حافظ عبدالحمید ازہر ❁ مولانا مبشر احمد مدنی ❁ حافظ حماد شاکر ❁ شیخ محمد عتیق۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

22 ربیع الاول 1435ھ جمعۃ المبارک 24 تا 30 جنوری 2014ء

الاعتصام

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 04 جلد 66

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12
E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ : -/12 روپے
سالانہ : -/500 روپے
بیرونی ممالک سے : -/200 ریال
-/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور ۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

.... مکیں سے ہے شرف اسد

حافظ احمد شاکر

ہفتہ رفتہ جماعت اہل حدیث ......خصوصاً ضلع قصور، اوکاڑا......ایک اندوہ ناک صدمے سے دوچار ہوگئی کہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یوسف (راجووال) ۹۶ سال کی بابرکت عمر پا کر ایک تکلیف دہ اور صبر آزما طویل علالت کے بعد خلد بریں کی طرف روانہ ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا رحمہ اللہ جب پاکستان آئے تو ضلع ......اُس وقت لاہور اور اب......قصور کے گاؤں ''اہل'' میں قیام پذیر ہوئے۔ جہاں دو سال تک خدمت دین کی سعادت کے بعد راجووال میں تشریف لے آئے جو اس وقت بے آب وگیاہ سا غیر شرعی رسوم ورواج میں لتھڑا ہوا قصبہ بلکہ گاؤں تھا۔ وہاں آ کر مولانا نے دارالحدیث کے نام سے علم دین کی شمع جلادی جس کی وہ خون جگر سے آبیاری کرتے رہے۔

مولانا رحمہ اللہ نے ہٹھاڑ کے اس بے دینی کے جنگل میں علم وعمل کا ایسا منگل لگایا کہ مولانا رحمہ اللہ راجووال ہی نہیں بلکہ اس کے گردونواح کے لیے بھی شجر سایہ دار بن گئے اور ان کا قائم کردہ......الجامعۃ الکمالیۃ...... دارالحدیث ایک ایسا مینارۂ نور بن گیا کہ نہ صرف علاقے بھر کے لوگ اس سے مستنیر ہونے لگے بلکہ دور دراز کی بستیوں اور شہروں سے بھی تشنگان علم دین اس چشمہ خیر وبرکت سے سیراب ہونے لگے......جامعہ کمالیہ...... دارالحدیث میں تحفیظ القرآن کے عمدہ انتظام کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی تدریس وتعلیم کا بھی باقاعدہ اہتمام ہے یہ ساری خدمات مولانا ایک عرصہ تک سادہ لیکن باوقار مسجد اور قدیم طرز تعمیر کے تدریسی کمروں میں سرانجام دیتے رہے۔ حسن اتفاق سے احیاء التراث الاسلامی (کویت) کے ایک وفد کا ادھر سے گزر ہوا تو وہ مولانا کی اخلاص اور ان کی تگ ودو سے متاثر ہوئے، جس کے نتیجے میں اُنھوں نے احیاء التراث الاسلامی کے شعبہ لجنۃ القارۃ الہندیہ کے تعاون سے دارالحدیث راجووال کے لیے ایک عظیم الشان مسجد اس کے اوپر ہی لائبریری اور نہایت اعلیٰ انداز کے تدریسی کمرے جن کی بغل میں مولانا رحمہ اللہ کے لیے حسب ضرورت رہائش تیار کروادی اس جدید تعمیر کے بعد دارالحدیث کا تدریسی وتنظیمی انتظام بھی بہتر ہوا اور نتائج بھی بہتر ہوگئے۔

مولانا کی تدریسی مساعی تو عوام وخواص پر آشکار ہیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ مولانا کی تبلیغی مساعی اگر تدریسی مساعی سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ مولانا اہل علاقہ کے لیے تبلیغی جلسوں، کانفرنسوں کا انعقاد بھی کرتے رہے، گاہِ گاہِ دروس قرآن وحدیث سے اہل علاقہ کو سیراب بھی کرتے رہے اور علماء وطلباء کے لیے کئی سال شعبان ورمضان میں دورہ تفسیر القرآن کا اہتمام فرماتے رہے، جماعت کے ماہانہ جرائد وہفتہ وار اخبارات ادارہ کے لیے قیمتاً منگواتے بھی اور ان اخبارات وجرائد میں بہ جذبۂ تعاون اجرت دے کر اشتہارات بھی طبع کرواتے، ''الاعتصام'' سے ان کا تعلق شروع دن سے تھا اور اب تک ہے الاعتصام سے ان کی غایت محبت یہ تھی کہ وہ الاعتصام پر تعاون کی برکھا بھی برساتے رہے، وہ دینی رسائل وجرائد کا جب تک صحت نے ساتھ دیا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے اور علالت کے بعد جب ان کو پڑھنے میں دشواری ہونے لگی تو وہ اخبارات وجرائد باقاعدہ سنتے اور پھر ان کو مجلد کروا کر لائبریری کی زینت بنادیتے۔

اسی طرح مولانا رحمہ اللہ کا درسی کتب کے علاوہ خارجی مطالعہ خصوصاً مسائل کی تحقیق کرتے رہنا بھی ان کا خصوصی ذوق تھا، ایسے ہی اصحاب علم وفضل سے ان کا نیازمندانہ رابطہ بھی رہتا تھا اپنے اساتذہ ومشائخ علیہم الرحمہ سے علمی اشکالات کے لیے خط وکتابت کے ذریعے سوالات بھی کرتے اور بعض مرتبہ حاضر خدمت ہو کر بھی تشفی فرماتے تھے، علم کی تدریس، عقیدے کی تبلیغ کے ساتھ علم کی اشاعت کی طرف بھی ان کی خصوصی توجہ رہتی تھی، چنانچہ تبلیغی اشتہارات، کتابچوں کے علاوہ بعض ضخیم کتابیں ......کتاب الاذان اہل حدیث کے امتیازی مسائل، ابراء اہل

الحدیث......بھی اُنھوں نے طبع کیں، مولانا عبدالقادر عارف حصاری رحمہ اللہ سے ان کی خاص عقیدت تھی اس بنا پر اُنھوں نے دارالحدیث کے ہی ایک لائق وفائق فارغ ہونہار طالب علم برادر محترم مولانا محمد ابراہیم خلیل حفظہ اللہ کے ذریعے مولانا حصاری رحمہ اللہ کے فتاویٰ جات اولاً جمع کرائے، پھر سات جلدوں میں ان کو ترتیب دلا کر قابل اشاعت بنا دیا جو طبع بھی ہو چکے ہیں۔ محدود وسائل کے حامل کسی دیگر دینی جامعہ کی اس قدر ہمہ جہت خدمات کم از کم ہمارے علم میں نہیں۔ تقبل اللہ جھودھم و جعل سعیھم مشکورا.

مولانا رحمہ اللہ کے چار بیٹے اور ۶ بیٹیاں تھیں، عبداللہ سلیم رحمہ اللہ، ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن یوسف حفظہ اللہ، حافظ عبیداللہ احسن حفظہ اللہ، مولانا ڈاکٹر عبیدالرحمٰن محسن حفظہ اللہ۔ مولانا رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک فضل خاص یہ بھی تھا کہ اُنھوں نے اپنی تمام اولاد کو دینی تعلیم وتربیت سے مزین کیا تھا۔

۱: بڑے بیٹے مرحوم مولانا عبداللہ سلیم: درس نظامی سے فارغ، عصری تعلیم بی۔اے، ایک سکول میں تدریسی فرائض بھی سرانجام دیتے تھے اور دارالحدیث کے نظم ونسق میں مولانا کے معاون بھی تھے لیکن ۱۹۹۳ کی بات ہے کہ عین عالم شباب میں دل کے اچانک دورے سے ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲: مولانا حافظ ڈاکٹر عبدالرحمٰن یوسف حفظہ اللہ: حافظ صاحب موصوف درس نظامی سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے اعلیٰ اور امتیازی نمبروں میں کامیاب ہوئے، پھر پاکستان آکر اولاً ایم۔اے اور پھر (PHD) ڈاکٹریٹ کی اور بہاولپور یونیورسٹی میں تدریس بھی کرتے رہے پھر آبائی پیشے (دینی علوم کی تدریس) کے جذبے نے ان کو دوبارہ خاک نشین بنا دیا اور وہ علوم دینیہ کی تدریس کرنے لگے، چند ایک سال کراچی میں بھی اُنھوں نے تدریس کی۔ آج کل وہ دارالحدیث ہی میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ حافظ صاحب کا ذوق چونکہ علمی وتحقیقی ہے اس لیے اُنھوں نے بعض علمی کتب کے تراجم بھی فرمائے ہیں۔

۳: حافظ عبیداللہ احسن حفظہ اللہ۔ یہ ماشاء اللہ حافظ بھی ہیں اور پختہ حافظ ہیں صحاح ستہ اُنھوں حضرت رحمہ اللہ سے پڑھی، بی۔اے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ سے تحفیظ القرآن کے درجہ میں وقت دینے کی سعادت بھی حاصل کر رہے ہیں۔

۴: مولانا حافظ ڈاکٹر عبیدالرحمٰن محسن حفظہ اللہ حفظ قرآن اور درس نظامی سے فراغت کے بعد عصری تعلیم اُنھوں نے ایم اے تک حاصل کی۔ عربی تقریر و تحریر میں امتیاز حاصل کیا، اب سے کچھ عرصہ قبل پنجاب یونیورسٹی سے (PHD) ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی ان کو مل چکی ہے۔ دارالحدیث کے انتظام و انصرام میں حضرت رحمہ اللہ کے معاون بھی رہے اور حضرت کے ایام علالت میں وہ اور اُن کے برادر کبیر ہی ان کی خدمت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

حافظ محسن حفظہ اللہ بہت عمدہ اور مقبول خطیب بھی ہیں۔ دارالحدیث میں خطبہ جمعہ کے علاوہ احباب کے تقاضوں پر بعض مقامات پر اپنے علمی ومفید خطابات کے ذریعے عوام الناس تک تبلیغ دین کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔

مولانا کی بڑی بیٹی مولانا عبداللہ یوسف ناظم دارالحدیث اوکاڑا کی اہلیہ ہیں۔ مولانا رحمہ اللہ کی ایک بیٹی طویل علالت کے بعد انتقال کر گئی تھیں اور دوسری بیٹی جو جماعت کے فاضل اور معروف علمی شخصیت مولانا عبدالستار حماد حفظہ اللہ کی اہلیہ تھیں ماضی قریب میں وہ انتقال کر گئیں تھیں۔

مولانا رحمہ اللہ نے اپنی خاندانی اور نجی زندگی میں دین کے علم اور عمل کو غالب رکھا۔ مولانا نے اپنی تمام بیٹیوں کو ترجمہ قرآن مجید خواتین کے مسائل کا دینی علم اور لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا، اسی طرح مولانا رحمہ اللہ نے رشتوں ناتوں میں بھی دین ہی کو مقدم رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ علم وعمل کی جامع اور جنگل کو منگل بنانے والی ایسی شخصیت ہی نادر روزگار ہوتی ہے۔ بقولِ غالب ؎

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد　　مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اُداس ہے

دارالدعوۃ السلفیہ کے اراکین اور ہفت روزہ الاعتصام کے کارکنان حضرت کی اولاد احفاد سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ دعا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ حضرت مولانا کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کی حسنات قبول فرما کر ان کو اعلیٰ علیین میں انبیاء، شہداء وصالحین کی معیّت نصیب فرمائے۔ آمین

درس قرآن

قسط نمبر ۵

تفسیر سورۃ الصّٰفّٰت

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ o﴾ ''اور بلا شبہ یقیناً ہم نے ان میں کئی ڈرانے والے بھیجے۔'' پہلی قوموں کی اکثریت گمراہ ہوئی تو یوں نہیں کہ انھیں ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا کوئی نہیں تھا بلکہ انھیں ایک نہیں کئی ڈرانے والوں نے خبردار کیا۔ مگر ان بدنصیبوں نے گمراہی کو ہی گلے لگائے رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک قوم کی طرف ڈرانے والا بھیجا، جیسے فرمایا:

﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ o﴾ [فاطر: ۲۴]

''اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ایک ڈرانے والا گزرا ہے۔''

اور بسا اوقات دو یا دو سے زائد رسول بھی ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے، جیسے پہلے سورۂ یٰس میں بیان ہوا ہے کہ ایک قوم کی طرف تین رسولوں کو بھیجا گیا۔ فرعون کی طرف بھی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بھیجا گیا تھا۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''الاولین'' کے تقابل میں ''المنذرین'' جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام ''منذر'' ہی نہیں ''مبشر'' بھی ہوتے ہیں، جیسے فرمایا:

﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [النساء: ۱۶۵]

''ایسے رسول جو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے، تاکہ لوگوں کے پاس رسولوں کے بعد اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہ جائے۔''

لیکن یہاں مواقع کی مناسبت سے گمراہوں کے تناظر میں ''منذرین'' کا ذکر ہوا ہے کہ ان کو گمراہی کے انجام سے خبردار کرنے والے ہم نے بھیجے۔

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ ''سو دیکھ ان ڈرائے جانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔'' یعنی ہمارے ''منذرین'' کے سمجھانے بجھانے اور ڈرانے دھمکانے سے جب اُنھوں نے کوئی سبق نہ سیکھا تو آپ ﷺ دیکھ لیں ان کا انجام کیا ہوا۔ ان آیات سے آپ ﷺ کی تسلی مقصود ہے کہ جیسے یہ آج آپ کی تکذیب کر رہے ہیں، آپ ﷺ سے پہلے بھی ہمارے رسولوں کی تکذیب ہوئی ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ پھر اُن مکذبین کا انجام کیا ہوا، یہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔ آپ ﷺ صبر و تحمل سے بس اپنا کام کریں اور انجام کار ہمارے حوالے کر دیں۔

پہلی قوموں کا انجام ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ o﴾

[العنکبوت: ۴۰]

''تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ میں پکڑ لیا، پھر ان میں سے کوئی وہ تھا جس پر ہم نے پتھراؤ والی ہوا بھیجی اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے چیخ نے پکڑ لیا اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کوئی وہ تھا جسے ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور لیکن وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔''

﴿فَانْظُرْ﴾ نظر کا معنی کسی کو آنکھ سے دیکھنا، غور وفکر کرنا ہے۔ اور کبھی اُس معرفت کو بھی ''النظر'' کہتے ہیں جو غور وفکر کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ (مفردات)

اور عموماً جب اس کا استعمال ''اِلیٰ'' کے ساتھ ہوتا تو اس کا معنی آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے۔ بلکہ علامہ راغب نے فرمایا ہے کہ عوام کے نزدیک نظر کا لفظ رؤیت بصری میں استعمال ہوتا ہے لیکن خواص کے نزدیک یہ عموماً بصیرت کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں بھی یہی بصیرت، غور وفکر یا رؤیت قلبی مراد ہے۔

کفارِ مکہ کی تکذیب کے تناظر ہی میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ [یونس: ۳۹]

''اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے، سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔''

﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ''مگر اللہ کے خالص کیے ہوئے بندے۔'' اس استثنا کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ''الاولین'' سے مستثنیٰ ہے کہ یہ مخلص بندے گمراہ نہیں ہوئے۔ یہ بھی ''منذَرین'' میں شامل تھے مگر اُنھوں نے ''منذِرین'' کی تصدیق کی۔ اور دوسرا قول یہ کہ یہ ''عاقبۃ المنذرین'' سے مستثنیٰ ہے کہ یہ مخلصین اس برے انجام سے محفوظ رہے۔

''مخلَصین'' (ل کے زبر سے) یعنی خالص کیے ہوئے، چنے ہوئے۔ جن کی سعادت مندی ان کی پیدائش سے کیا، زمین وآسمان کے بنائے جانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی گئی ہے۔ اور وہ وہی ہیں جو اللہ کے لیے خالص ہیں اور اسی کا ہو رہتے ہیں۔ اللہ کے علاوہ کسی کی طرف التفات نہیں کرتے۔ ان کا دل اللہ کی محبت میں سرشار اور ان کی عادات، عبادت سے عبارت، ان کا قول وفعل، ان کی عطا اور ترک عطا، ان کی محبت وعداوت سب اللہ تعالیٰ کے لیے۔ ان مخلصین کا انجام بہترین ہوگا۔ والعاقبة للمتقين.

مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ مہتمم دار الحدیث جامعہ کمالیہ راجووال ضلع اوکاڑا دورِ حاضر میں ایک خوش بخت اور بابرکت شخصیت تھے۔ اُنھوں نے اپنی تمام زندگی علم وعمل کے فروغ میں گزاری۔ سخت علالت میں بھی اللہ کریم کے شکرگزار رہے۔ تہجد گزار، ذکر اللہ کے شاغل اور اعمالِ خیر میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

ان کی وفات پر جماعت اہل حدیث ایک صدمے سے دوچار ہوئی ہے۔ قارئین الاعتصام نے ادارے سے تعزیتی اظہار فرمایا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱: میاں عبدالسلام انجینئر، لاہور۔
۲: میاں محمد یوسف آپٹیکل والے، قصور۔
۳: محمد صدیق الحسن بھومن شاہ، اوکاڑا۔
۴: محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد۔
۵: حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاہروی، کوٹ رادھا کشن، قصور۔
۶: حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان۔
۷: جناب حمید اللہ عزیز ایڈیٹر تفہیم الاسلام، احمد پور شرقیہ۔
۸: قاضی محمد رمضان صدیقی، منڈی بہاء الدین۔
۹: امیر حمزہ حماد طور، گوجرانوالہ۔
۱۰: مولانا اشرف جاوید، فیصل آباد۔
۱۱: مولانا عبدالواحد سلفی، لالہ موسیٰ۔
۱۲: ملک عبدالرشید عراقی، سوہدرہ۔

(محمد سلیم چنیوٹی)



درسِ حدیث

اربعین اعتقادی

ترجمہ وفوائد
حافظ ریاض عاقب اثری

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب: وجوب اتباع النبي في كل ما أمر ونهى، لقول الله تعالى:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[الحشر:۷]

۲۹۔ كان أبو هريرة رضي الله عنه يحدث أنه سمع رسول الله ﷺ يقول:

((ما نهيتكم عنه فاجتنبوه ، وما أمرتكم به فافعلوا منه ما استطعتم ، فإنما أهلك الذين من قبلكم كثرة مسائلهم واختلافهم على أنبيائهم.))(صحيح بخاري، رقم:۷۲۸۸، صحيح مسلم، رقم:۱۳۳۷)

اتباعِ رسول کا وجوب:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور رسول تمھیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے اس سے رُک جاؤ۔''

۲۹: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جس چیز سے میں تمھیں روکوں، اس سے اجتناب کرو اور تمھیں اگر کسی چیز کا حکم دوں تو اسے اپنی طاقت کے مطابق بجا لاؤ۔ اس لیے کہ تم سے پہلے لوگ کثرتِ سوالات اور اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوگئے۔''

فوائد:

۱: مذکورہ آیات اتباعِ رسول کے وجوب پر واضح دلیل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کو عام سمجھتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اُم یعقوب کے ساتھ مکالمہ اس بات پر شاہد ہے۔ (صحیح بخاری، رقم:۴۸۸۶، صحیح مسلم، رقم:۲۱۲۵)

۲: نبوی اوامر ونواہی کی اتباع لازمی ہے کیوں کہ نبی ﷺ کی اطاعت واتباع اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[النساء:۸۰]

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

۳: بے جا سوالات اور باہمی اختلافات ہلاکت و بربادی کے اسباب ہیں، جیسا کہ حدیث سے واضح ہے کہ گذشتہ اُمتوں کی ہلاکت کے اسباب میں بے جا سوالات اور انبیاء کرام علیہم السلام سے اختلاف بنیادی وجوہاتِ ہلاکت میں سے ہے۔

۴: اختلاف برائے اختلاف ممدوح نہیں بلکہ مذموم ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو باہمی اختلافات ختم کر کے اتحاد کی کوشش میں قرآن وحدیث سے تمسک کر لینا چاہیے کہ اسی میں نجات مضمر ہے۔



احکام ومسائل

قصاص کے احکام

مرتبین: طلحہ بن خالد مرجالوی، زبیر بن خالد مرجالوی، عثمان بن خالد مرجالوی (متعلمین: جامعہ محمدیہ اہل حدیث، گوجرانوالہ)

❁.....﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ٥﴾[البقرة:۱۷۸]

''اے وہ جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے، آزاد کے بدلے وہی آزاد اور غلام کے بدلے وہی غلام اور عورت کے بدلے وہی عورت قتل ہوگی، پس جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو اچھے طریقے سے پیچھا کرنا اور اچھے طریقے سے اس کے پاس پہنچا دینا (لازم) ہے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور مہربانی ہے، پس جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

مزید فرمایا:

❁.....﴿وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ٥﴾[البقرة:۱۷۹]

''اور اے عقل والو! تمھارے لیے قصاص میں ایک طرح کی زندگی ہے تاکہ تم بچ سکو۔''

اہمیت:

معاشرے میں ہر طرف قتل وغارت گری جیسی مہلک وبا پھیل چکی ہے۔ قتل وغارت کے اس خوفناک کھیل سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔ بم دھماکے ہوں یا راہ زنی، لوگوں کے اموال کو لوٹتے ہوئے ڈاکو ہوں یا بہ ظاہر شریف نظر آنے والے لوگ، معاشرے کے کسی بھی فرد کی جان کو تحفظ حاصل نہیں۔ اور سارا ملک ہی اسی طوفان بلاخیز کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قتل وغارت گری کے اس مسئلے کو کیسے حل کیا جائے اور اس طوفان کے آگے بند کیسے باندھا جائے؟

اس کا سیدھا اور آسان جواب یہ ہے کہ فوراً حدود اللہ کا نفاذ کر دیا جائے۔ اگر ہم احترام آدمیت کو فروغ دینا چاہتے ہیں تو اربابِ اقتدار کو مظبوط بنیادوں پر اسلام کے قانون قصاص کو لاگو کر دینا چاہیے۔

آپ شریعت کا مطالعہ فرمایئے کہ شارع نے ابن آدم کی جان کے تحفظ کے لیے کس قدر واضح اور فول پروف احکامات نازل فرمائے ہیں۔ اگر ان حدود اللہ پر آج ہی سے عمل درآمد شروع کر دیا جائے تو بہت جلد معاشرہ امن واَمان کا گہوارہ بن جائے گا۔ اور ہم بھی انھی لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانی بشارت سنائی ہے:

﴿وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾[التوبة:۱۱۲]

''اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔''

خون کا معاملہ اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے اسی کے متعلق پوچھا جائے گا، سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء.))(صحيح بخاري، رقم:٦٨٦٤، صحيح مسلم، رقم:١٦٧٨)

''روزِ قیامت لوگوں میں سب سے پہلے خون کے (مقدمات کے) فیصلے ہوں گے''۔

قتل کی سنگینی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [الأنعام:۱۵۱]

''اور کسی جان کو، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ''۔

قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قتل شرک کے بعد سب سے بڑا جرم ہے۔

انسانی قتل کے خوف ناک اور خطرناک انجام کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ [المائدة:۳۲]

''جس نے کسی انسان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا''

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (کبیرہ گناہوں میں سے ایک) نفس انسانی کو قتل کرنا ہے۔ (سنن دارمی، رقم: ۲۴۰۵۔ قال الشيخ حسين سليم أسد: إسناده صحيح)

ذیل میں قصاص کے چند احکامات بیان کیے جائیں گے۔ اور اس ضمن میں ہم سب سے پہلے قتل کی اقسام اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات ونتائج اور سزا کا جائزہ لیتے ہیں:

قتل کی اقسام

قتل کی تین قسمیں ہیں:

قتل عمد:

یعنی کسی شخص کو ایسے آلے سے قتل کرنے کی نیت کرنا یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصے پر ضرب لگانا جس میں غالب گمان اس کے قتل ہو جانے کا ہو، مثلاً: بندوق اور تلوار وغیرہ سے حملہ کرنا یا پھر دل و دماغ وغیرہ پر وار کرنا۔

قتل عمد کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:۹۳]

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس پر اللہ کا غضب اور اس پر اس (اللہ) کی لعنت ہے اور اس (اللہ) نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے''۔

قتل شبہ عمد:

یعنی کسی شخص پر ایسے آلے سے وار کرنا جس سے عموماً انسان کے مر جانے کا خدشہ نہیں ہوتا، جیسے: چھری، چھوٹا پتھر اور کنکر وغیرہ۔

قتل خطا:

یعنی ایسا قتل جو غلطی سے سرزد ہو جائے، جیسے: شکاری شکار پر حملہ کرے مگر وہ کسی شخص کو لگ جائے۔

قتل شبہ عمد اور قتل خطا کی دیت: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ألا إن دية الخطأ شبه العمد ما كان بالسوط والعصا؛ مائة من الإبل، منها أربعون في بطونها أولادها.)) (سنن أبي داود، رقم: ٤٥٤٧، سنن النسائي، رقم: ٤٧٩٣. وقال الشيخ الألباني: حسن)

''خبردار! قتل شبہ عمد جو کہ کوڑے یا لاٹھی سے (کیا) ہو، اس میں

دیت سو(١٠٠)اونٹ ہیں،ان میں سے چالیس(اونٹنیاں) ایسی ہوں گی جن کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں گے۔‘‘

مگر قتل خطا میں دیت کے ساتھ ایک گردن بھی آزاد کرنی ہوگی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ﴾[النساء:٩٢]

’’اور جس شخص نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مومن کی گردن آزاد کرنا ہے اور دیت دینا ہے جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو۔‘‘

﴿اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ کی وضاحت:

شیخ ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور اپنی کتاب ’’کبیرہ گناہوں کی حقیقت‘‘ میں لکھتے ہیں:

درج ذیل چند صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی انسان کا خون، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، بہانا ہرگز جائز نہیں:

١: اسلام قبول کر لینے کے بعد اِرتداد۔

٢: شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب۔

٣: کسی دوسرے انسان کو جان بوجھ کر قتل کرے اور معروف طریقے سے اس کا جرم ثابت ہو جائے۔

٤: اللہ کی زمین پر فساد برپا کرے، مثلاً: ڈاکہ ڈالے، لوٹ مار اور رہزنی کرے یا اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرے۔

٥: دینِ حق قائم کرنے کی بہ زورِ بازو مخالفت کرے۔ اور اسے قتل کیے بغیر بات نہ بنتی ہو۔

قصاص سے درگزر بہتر:

قصاص لینے سے معاف کر دینا بہتر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کی ترغیب دی، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

”ما رأيت النبي رفع إليه شيء فيه قصاص إلا أمر فيه بالعفو .“(سنن أبي داود، رقم: ٤٤٩٧، سنن النسائي، رقم: ٤٧٨٤ . قال الشيخ الألباني:صحيح)

’’میں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا کہ ان کی طرف قصاص کا کوئی بھی معاملہ اٹھایا گیا ہو مگر آپ ﷺ نے اس (معاملے) میں درگزر کا حکم فرمایا۔‘‘

دیت کی ادائیگی ورثاء پر ہے نہ کہ خاوند یا اولاد پر:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے (دیت کی ادئیگی) مقرر فرمائی:

”دية المقتولة على عاقلة القاتلة، وبرأ زوجها وولدها .“(سنن أبي داود، رقم:٤٥٧٥ . قال الشيخ الألباني: صحيح)

’’مقتولہ کی دیت قتل کرنے والی کے عصبہ (باپ کی جانب سے رشتہ داروں) پر ہے۔ اور آپ ﷺ نے اس کے خاوند اور اولاد کو بری الذمہ قرار دیا۔‘‘

اعضاء کو اعضاء کے عوض میں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝﴾[المائدة: ٤٥]

’’اور ہم نے اس میں ان پر لکھ (فرض کر) دیا کہ نفس کے بدلے نفس اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں میں برابر بدلہ ہے، پھر جو اس (قصاص) کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی ظالم ہیں‘‘۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیت کا فیصلہ فرمایا کہ ناک میں پوری دیت ہے جب اسے کاٹ دیا جائے۔اور جب اس کے سرے کا کنارہ کاٹ دیا جائے تو نصف دیت ہے: پچاس اونٹ یا اس کے برابر سونا یا چاندی، یا ایک سو(۱۰۰) گائیں، یا ہزار بکریاں۔اور ہاتھ میں نصف دیت ہے جب اسے کاٹ دیا جائے۔ اور پاؤں میں نصف دیت ہے۔اوراس چوٹ میں جو دماغ تک پہنچ جائے، تہائی دیت ہے: تینتیس اونٹ۔یا اس کی قیمت کے برابر سونا، چاندی، گائیں یا بکریاں ہیں۔اور پیٹ (کے اندر) تک پہنچنے والا زخم بھی اسی طرح ہے۔اورانگلیوں میں دیت اس طرح ہوگی کہ ہرانگلی کے بدلے دس اونٹ ہیں۔اور دانتوں میں ہردانت کے بدلے پانچ اونٹ ہیں۔(سنن أبي داود، رقم: ٤٥٦٤ . قال الشيخ الألباني: حسن)

زخم کی درستی سے قبل قصاص نہیں:

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا:

"أن يقتص من جرح حتى يبرأ صاحبه."

(سن دارقطني، رقم: ٣١١٤، السنن الكبرى للبيهقي، رقم: ١٦١١٥ . قال الشيخ الألباني: صحيح)

''کہ زخم کے بدلے قصاص لیا جائے یہاں تک کہ زخمی درست ہو جائے۔''

قصاص میں معافی اور ورثاء کے لیے دیت لینا:

جناب عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ جناب نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فإن شاءوا قتلوه، وإن شاءوا أخذوا الدية.))(سنن أبي داود، رقم: ٤٥٠٦، سنن الترمذي، رقم: ١٣٨٧ . قال الشيخ الألباني: حسن صحيح)

''اگر وہ چاہیں تو اسے (قصاص میں) قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت لے لیں۔''

جھگڑے میں قصاص نہیں:

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی کے ہاتھ میں دانت سے کاٹا تو اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچ لیا جس سے اس کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔یہ دونوں اپنا جھگڑا نبی ﷺ کے پاس لائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يعض أحدكم أخاه كما يعض الفحل! لا دية لك.))(صحيح بخاري، رقم: ٦٨٩٢، صحيح مسلم، رقم: ١٦٧٣)

''تم اپنے بھائی کو اس طرح کاٹتے ہو جیسے اونٹ کاٹتا ہے۔ تمھیں دیت نہیں ملے گی۔''

قاتل و مقتول دونوں جہنمی:

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں جنگِ جمل میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے تیار تھا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی، انھوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ میں کہا کہ ان (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔انھوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

((إذا التقى المسلمان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار.))قلت: يارسول الله! هذا القاتل، فمابال المقتول؟قال:((إنه كان حريصا على قتل صاحبه.))(صحيح بخاري، رقم: ٦٨٧٥، صحيح مسلم، رقم: ٢٨٨٨)

''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے کے مدمقابل آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں جائیں گے۔میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ قاتل

(تو سزا کا مستحق) ہے لیکن مقتول کا کیا قصور؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بھی اپنے قاتل (مدمقابل) کے قتل پر آمادہ تھا۔''

مسلم کو کافر کے عوض میں قتل کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا يقتل مؤمن بكافر.))(سنن أبي داود، رقم: ٢٧٥١، سنن الترمذي، رقم: ١٤١٢. قال الشيخ الألباني: صحيح)

''مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔''

اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ذمی کے بدلے میں مسلمان کو نصف دیت دینا پڑے گی، عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((دية عقل الكافر نصف دية عقل المؤمن.))

(سنن أبي داود، رقم: ٢٧٥١، سنن الترمذي، رقم: ١٤١٢. قال الشيخ الألباني: صحيح)

''کافر کی دیت مومن کی دیت سے آدھی ہے۔''

معاہد شخص کو قتل کرنا:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة، وإن ريحها توجد من مسيره أربعين عاما.))(صحيح بخاري، رقم: ٣١٦٦، سنن ابن ماجه، رقم: ٢٦٨٦)

''جس شخص نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا اسے جنت کی خوش بُو نہیں آئے گی۔ حالانکہ اس کی خوش بُو چالیس سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔''

آزاد کو غلام کے عوض میں قتل کرنا:

علامہ صالح بن عثیمین رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کرنے کے متعلق راجح قول کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت اسے بھی قتل کیا جائے گا:

﴿وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ....إلخ﴾[المائدة:٤٥]

''اور ہم نے اس میں ان پر لکھ (فرض کر) دیا کہ نفس کے بدلے نفس اور آنکھ کے بدلے آنکھ.....الخ۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله و أني رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس......إلخ.)) (صحيح البخاري، رقم: ٦٨٧٨، صحيح مسلم، رقم: ١٦٧٦)

''مسلمان، جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، کا خون حلال نہیں ہے مگر تین صورتوں میں: جان جان کے بدلے......الخ۔''

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((المؤمنون تتكافأ دماؤهم.))(سنن النسائي، رقم: ٤٧٤٦، سنن أبي داود، رقم: ٢٧٥١. قال الشيخ الألباني: صحيح)

''مومنوں کے خون برابر ہیں۔''

مزید فرمایا:

((لا فضل لعربي على أعجمي ولا لعجمي على عربي إلا بالتقوى.))(مسند أحمد بن حنبل:٥/ ١١٤)

''کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل ہے مگر تقوی کے ساتھ۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾[الحجرات:١٣]

''بے شک تم میں سب سے معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے جوتقوے والا ہے۔''

اور یہ دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔(سلسلة لقاء ات الباب المفتوح لمحمد العثيمين: باب حكم قتل الحر بالعبد)

ایک شخص کا پکڑنا اور دوسرے کا قتل کرنا:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إذا أمسك الرجل الرجل وقتله الآخر يقتل الذي قتل ويحبس الذي أمسك .))(سنن الدارقطني، رقم: ٣٢٧٠، السنن الكبرى للبيهقي، رقم: ١٦٠٢٩ . قال الشيخ الألباني وابن القطان: صحيح)

''جب ایک آدمی کسی شخص کو پکڑے اور دوسرا اُسے قتل کردے تو جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کیا جائے گا اور جس نے پکڑا اُسے قید کیا جائے گا۔''

ایک شخص کے قتل میں زیادہ لوگوں کی شمولیت:

ایسی صورت میں پوری جماعت کو قتل کردیا جائے گا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غلام کو مخفی طور پر قتل کردیا گیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"لو اشترك فيها أهل صنعاء لقتلتهم . "(صحيح بخاري، رقم: ٦٨٩٦)

''اگر اس (قتل) میں اہل صنعاء (تمام بستی والے) بھی شریک ہوتے تو میں ان (سب) کو ضرور قتل کردیتا۔''

ہاں، اگر مقتول کے ورثاء دیت لینا چاہیں تو ہر شریک قتل پر دیت دینا واجب ہے۔(السيل الجرار: ٤/ ٣٩٨)

اگر قاتل بچہ یا مجنون ہو؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رفع القلم عن ثلاث: عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل .))(سنن أبي داود، رقم: ٤٤٠٣، سنن النسائي، رقم: ٣٤٣٢ . قال الشيخ الألباني: صحيح)

''تین (قسم کے لوگوں) سے قلم اٹھالیا گیا ہے: سونے والے سے حتی کہ وہ بے دار ہوجائے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، مجنون سے یہاں تک کہ وہ عاقل ہوجائے۔''

ایک صورت میں آنکھیں پھوڑنے پر کوئی گناہ نہیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا:

((لو أن امرأ اطلع عليك بغير إذن فخذفته بعصاة ففقأت عينه لم يكن عليك جناح .))(صحيح بخاري، رقم: ٦٩٠٢، صحيح مسلم، رقم: ٢١٥٨)

''اگر کوئی شخص تمھاری اجازت کے بغیر تم پر (جب تم گھر میں ہو) جھانکے اور تم اسے کنکر مارو جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔''

مسلمان کی دیت:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جس شخص کی دیت گایوں والے کے ذمے گایوں میں (واجب الادا) ہو تو دوسو (۲۰۰) گائیں (ادا کرنا ہوں گی)۔ اور جس شخص کی دیت بکریوں والے کے ذمے بکریوں میں (واجب الادا) ہو تو (بہ طورِ دیت) دو ہزار (۲۰۰۰) بکریاں ادا کی جائیں گی۔(سنن ابن ماجه، رقم: ٢٦٣٠، سنن الترمذي، رقم: ١٣٨٨ . قال الشيخ الألباني: حسن)



مقالات علمیہ

قسط نمبر ⑦

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اور اہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

محبوب کے ساتھ خلوت کا شوق:

اس کی دو بڑی وجوہات ہوتی ہیں:

۱: مُحبّ یہ نہیں چاہتا کہ محبوب سے جو وہ گفتگو کرے اس سے کوئی اور باخبر ہو۔ بلکہ وہ اپنی قلب وبدن پر طاری ہونے والی کیفیت اور تعلق دونوں کو پوشیدہ رکھنا پسند کرتا ہے۔ اور لوگوں کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔

۲: دوسری وجہ یہ ہے کہ عدمِ خلوت توجہ تام میں رکاوٹ بنتی ہے۔ اور یہ حالت مُحبّ کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

رات کی نماز کو جہاں اور وجوہات کی بنا پر فضیلت دی گئی ہے وہاں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رات کو تنہائی میسر ہوتی ہے ، ذہن دنیوی معاملات کے جھنجٹ سے خالی ہوتا ہے، دل میں کوئی اور فکر نہیں ہوتا، اور توجہ تام حاصل ہوتی ہے۔

بعض آثارِ الٰہیہ میں کہا گیا ہے:

"كذب من ادعى محبتي فإذا جنه الليل نام عني ، أليس كل حبيب يحب خلوة حبيبه ."

''جھوٹ کہتا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے ، جب رات آتی ہے تو سو جاتا ہے۔ کیا ہر مُحبّ اپنے محبوب کے ساتھ خلوت پسند نہیں کرتا!''

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے راتوں کو اُٹھ کر تنہائی میں رب سے مناجات کرتے ہیں اور صبح ان کے لیے غم کا پیغام بن کر آتی ہے کہ اب وہ خلوت کو ختم کردے گی۔

مسلم بن یسار کہتے ہیں:

"ما تلذذ المتلذذون بمثل الخلوة بمناجاة الله عز وجل ."(حلية الأولياء: ۲/ ۲۹۰)

''لذت اُٹھانے والوں نے خلوت میں اللہ سے مناجات کرنے کی لذت جیسی لذت کسی چیز سے حاصل نہیں کی۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ o وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ o﴾[الذریات: ۱۷، ۱۸]

''وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔ اور رات کی آخری گھڑیوں میں وہ بخشش مانگتے تھے۔''

ابو زید عجلی المعصد کہتے ہیں:

"لولا ثلاث: ظمأ الهواجر ، وطول ليل الشتاء، ولذاذة التهجد بكتاب الله عزوجل ماباليت أن أكون يعسوبا ."(حلية الأولياء:٤/ ١٦١)

''اگر تین چیزیں نہ ہوتیں: سخت گرمی کی پیاس (روزے کی صورت میں)، سردیوں کی لمبی رات (قیام کی صورت میں) اور اللہ کی کتاب کے ساتھ تہجد کی لذت تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی کہ میں یعسوب (سر برآوردہ) ہوتا۔''

۱۳۔ محبوب کے لیے تواضع اختیار کرنا:

شاعر کہتا ہے ؎

إذا كنت تهوى من تحب ولم تكن

ذلیلا لہ فاقرأ بالسلام علی الوصل
فذلل لمن تھوی لتکسب عزة
فکم عزة قد نالھا المرء بالذل

''اگر تم کسی سے محبت کرتے ہو مگر اس کے لیے خضوع اختیار نہیں کرتے تو ایسے وصل پر دُور ہی سے سلام ہے۔ جس کو چاہتے ہو اس کے لیے عاجزی اختیار کرو تاکہ عزت پاؤ، کتنے ہی مقامات عزت ایسے ہیں جنھیں انسان انکسارو عاجزی سے پاتا ہے۔''

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

یلذ لہ ذل الھوی وخضوعہ
ولولا الھوی مالذ للعاقل الذل

''اس کے لیے خواہش کی ذلت بھی لذت بن جاتی ہے۔ اور اگر محبت نہ ہو تو کسی عاقل کے لیے ذلت لذت والی نہ ہو۔''

۱۴۔ محبوب کا کلام سننے کے لیے مؤدب اور ہمہ تن گوش ہونا:

کہا گیا ہے:

"المحبون لا شيء ألذلھم ولقلوبھم من سماع کلام محبوبھم، و فیه غایة مطلوبھم." (روضة المحبین، ص: ۲۲۳)

''محبت کرنے والوں کے ہاں محبوب کا کلام سننے سے زیادہ کوئی اور چیز اُن دلوں کے لیے باعثِ لذت نہیں ہوتی کہ اسی کے وہ طالب ہوتے ہیں۔''

محبوب کا کلام سننے کی خواہش ولذت ہی کی وجہ سے محبوب کا کلام بھی محبوب بن جاتا ہے۔ اس کا کلام اور لہجہ یاد کرتے رہنا اور اس کلام کو دہرانا یا اپنے دل میں اس کلام کا استحضار کرنا بھی مُحبّ کو پسند ہوتا ہے۔ محبوب چونکہ اپنی صفات سمیت محبوب ہوتا ہے اور انسان اس کے کلام سے بھی محبت کرتا ہے، اس لیے جب وہ کلام کرتا ہے تو تمام توجہ اس کی طرف مرکوز کر دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"قال لي رسول اللہ ﷺ: ((اقرأ علي.)) قلت: أقرأ علیك وعلیك أنزل! قال: ((فإني أحب أن أسمعه من غیري.)) قال: فقرأت سورة النساء حتی أتیت علی ھذہ الآیة: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ٤١] قال: ((حسبك الآن.)) فالتفت إلیه فإذا عیناہ تذرمان."

(صحیح بخاري، رقم: ۵۰۵۰)

''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: تلاوت سناؤ، میں نے کہا: آپ ﷺ کو! آپ ﷺ پر تو یہ نازل ہوا ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں۔'' کہتے ہیں: میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچا: ''پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اتنا کافی ہے۔'' میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔''

کسی عارف نے اپنے مرید سے پوچھا: کیا قرآن کے حافظ ہو؟ کہنے لگا: نہیں۔ کہا:

"واغوثاہ باللہ أمرید لایحفظ القرآن! فبم یتنعم؟ فبم یترنم؟ فبم یناجي ربه عزوجل؟"

(جامع العلوم والحکم، ص: ۷۳٦)

''اللہ کی فریاد! مرید ہو کر قرآن حکیم حفظ نہیں کیا! وہ کس چیز سے نعمت حاصل کرتا ہوگا؟ کس چیز کو ترنم سے پڑھتا ہوگا؟ کس چیز سے اپنے رب سے مناجات کرتا ہوگا۔''

اسی طرح ایک شخص خوب تلاوتِ قرآن کیا کرتا تھا۔ بعد میں کسی غیر کی محبت میں گرفتار ہو کر تلاوت چھوڑ بیٹھا، خواب میں اسے کسی کہنے

والے نے کہا ۔

إن كـنـت تـزعـم حبي
فـلـم جـفـوت كتـابـي
أمـا تـأملت ما فـيـه
مـن لـطيف عتـابـي

(أيضًا، ص:٧٣٦)

''اگر تم میری محبت کے دعوے دار ہو تو میری کتاب سے جفا کیوں کی؟ کیا تُو نے اِس میں جو میری لطیف ڈانٹ ہے، اُس میں غور نہیں کیا؟''

سہل بن عبداللہ التستری کہتے ہیں:

"علامة حب الله حب القرآن، وعلامة حب القرآن حب النبي، وعلامة حب النبي حب السنة، و علامة حب الله و حب القرآن وحب النبي و حب السنة حب الآخرة، وعلامة حب الآخرة أن يحب نفسه، وعلامة حب نفسه أن يبغض الدنيا، و علامة بغض الدنيا أن لا يأخذ منها إلا الزاد و البلغة." (تفسير قرطبي: ٤/ ٦٠، ٦١)

''اللہ کی محبت کی علامت قرآن حکیم سے محبت ہے، قرآن حکیم سے محبت کی علامت نبی کی محبت ہے اور نبی کی محبت کی علامت سنت کی محبت ہے۔ اور اللہ کی محبت، قرآن کی محبت، نبی کی محبت اور سنت کی محبت کی علامت آخرت کی محبت ہے۔ اور آخرت کی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے محبت کرے۔ اور اپنے نفس سے محبت کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بغض رکھے۔ اور دنیا سے بغض رکھنے کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے منزل تک پہنچانے کے لیے کافی ہونے والے زادِراہ کے علاوہ کچھ نہ لے۔''

''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"لأستحيي من ربي أن يمر علي يوم لا أنظر في عهد ربي." (شعب الإيمان للبيهقي: ٢/ ٤٠٩)

''مجھے اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ مجھ پر ایک دن ایسا گزر جائے کہ جس میں میں نے اپنے رب کے عہد نامے کو نہ دیکھا ہو۔''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے، فرماتے ہیں:

"من أحب أن يعلم أنه يحب الله ورسوله فلينظر، فإن كان يحب القرآن فإنه يحب الله ورسوله." (شعب الإيمان للبيهقي: ٤/ ٥٧٢)

''جو اللہ اور اس کے رسول سے اپنی محبت کو پرکھنا چاہتا ہے تو وہ غور کرے، اگر وہ قرآن عزیز سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے بھی محبت کرتا ہے۔''

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں:

"كان عكرمة بن أبي جهل يأخذ المصحف فيضعه على وجهه وهو يقول: كلام ربي، كلام ربي." (السنة لعبدالله بن أحمد بن حنبل: ١/ ١٤٣. قال محققه: سنده صحيح)

''عکرمہ بن ابی جہل قرآن کریم پکڑتے، اپنے منہ پر رکھتے اور کہتے: یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے!''

۱۵۔ محبوب کی خاطر ملامت سے بے پروائی:

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِينَ يُجَـٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾[المائدة: ٥٤]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوا تو اللہ عنقریب ایسی قوم لائے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ کافروں پر سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

رسول اقدس ﷺ نے جب سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ میں فیصلہ کرنے کے لیے حاکم بنایا تو لوگ کہنے لگے: سعد! احسان کرنا، نرمی کرنا۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"قد آن لسعد أن لا تأخذه في الله لومة لائم ."

(تفسير طبري:۹/ ۲۱۸)

''سعد کے لیے وہ وقت آن پہنچا ہے کہ اس کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پروا نہ ہو۔''

یہ محبت کے رسوخ کی علامت ہے۔

امر بالمعروف میں جہاں اور بہت سے عوامل، مثلاً: توکل، کمال معرفت اور صبر وغیرہ کارفرما ہوتے ہیں وہاں محبت کے رسوخ کا بھی بہت دخل ہوتا ہے۔



بقیہ: تبصرہ کتب

نے نہیں کی۔ بلکہ اس نے جب اپنی جھوٹی دعوت کا دائرہ بڑھانے کے لیے اپنی کتاب ''اعجاز المسیح'' عالم عرب کے مشہور عالم علامہ رشید رضا مصری کو بھیجی تو انھوں نے بھی کتاب کے مندرجات کا کڑا جائزہ اپنے رسالے ''المنار'' میں خوب لیا۔

زیر تبصرہ کتاب کی ابتدا مؤلف محترم ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ نے علامہ رشید رضا مصری کے اسی مضمون سے کی ہے۔ اس کے علاوہ مرزائے قادیان نے علامہ رشید رضا مصری کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ بھی انھی ابتدائی صفحات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلے کی یہ چودھویں جلد بھی اپنے اسی علمی تسلسل کو برقرار رکھے ہوئے ہے جو پہلے جلدوں کا طرۂ امتیاز ہے، چنانچہ یہ علمی ذخیرہ بھی اپنے اندر دلائل و براہین کا ایک ایسا انبار سمیٹے ہوئے ہے جس سے قادیانی جہالت کے محل کی دیواریں زمین بوس ہوتی نظر آتی ہیں۔

ختم نبوت کی تحریک میں علمائے اہل حدیث کی خدمات سب سے نمایاں نظر آتی ہیں، چنانچہ تحریر کا میدان ہو یا تقریر و مناظرے کا، علمائے اہل حدیث کے علمی کارناموں کی گونج ہر سُو سنائی دیتی ہے۔ پیش نظر کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر تاریخ کے ایک باب کو مستقل طور پر محفوظ بنا دیا ہے۔ فجزاه الله عنا خير الجزاء

علماء کی بروقت مساعی نے جہاں اس نو ایجاد شدہ پودے کو پنپنے کا موقع نہیں دیا وہیں ان کی دوررَس نگاہ نے آئندہ نسلوں کے لیے ہدایت کا راستہ نمایاں کر دیا۔ یہی وجہ ہے دنیوی مفاد کے پس پشت ڈالتے ہوئے جدی پشتی قادیانی بھی اسلام کی چھاؤں میں پناہ لیتے نظر آتے ہیں۔

اللہ کریم جزائے خیر دے اور صحت و تن درستی سے نوازے رکھے جناب ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ کو کہ اُنھوں نے تحریک ختم نبوت کا گراں قدر مواد، بلاتفریق مسلک و مشرب، اکٹھا کرنے کی سعی بیش بہا فرما دی ہے کہ اب اس سلسلے کی ساری کتابیں حوالے کی کتابیں بن چکی ہیں۔

ادارہ احیاء التراث نے زیر تبصرہ کتاب کی اشاعت سے خود کو اسم بامسمیٰ ثابت کیا ہے۔ اللہ کریم مؤلف، ناشر اور دیگر معاونین کی محنت قبول فرمائے اور انھیں بہترین بدلے سے نوازے، آمین۔



اصلاحِ معاشرہ

یتیم پوتے کی وراثت

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف ﷾

سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ [النساء:۷]

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت دار اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت دار، اس (متروکہ) سے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ، اس حال میں کہ وہ حصہ ہے مقرر کیا ہوا۔''

اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے، جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گی، انھیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے۔ (سورت النساء:۱۱)

یہ عورت پر ظلم ہے، نہ اُس کا استخفاف بلکہ اسلام کا یہ قانونِ میراث عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیوں کہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو ایک مرد ہی اسے ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں، اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا کیوں کہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ:

اس آیت سے وراثت کا ایک اُصول بھی معلوم ہوا۔ اور وہ ہے اقربیت، یعنی صرف قریب ترین افراد وارث ہوں گے، محض قرابت کافی نہیں کیوں کہ قرابت میں تو بڑی وسعت ہے۔ اول تو اِس میں حد بندی ہی نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ثانیاً: اس طرح کی تقسیم سے کسی کو بھی معقول ورثہ ملنے کی اُمید نہیں اور یوں تقسیمِ وراثت ایک کارِ بے خیر بن کر رہ جاتی۔ اس لیے وارث صرف وہ ہوں گے جو مرنے والے کے قریب ترین ہوں گے اور ان کے ہوتے ہوئے دُور کے لوگ وارث نہیں ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان قریب ترین افراد کی وضاحت بھی آئندہ رکوع میں فرما دی اور ان کے مقررہ حصے بھی بیان کر دیے۔ ان کو اصحاب الفروض کہا جاتا ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ نے ایک اور اُصول بیان فرمایا:

((ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذكر.)) (صحيح بخاري، رقم:۳۲۶۷، صحيح مسلم، رقم:۱۶۱۵)

''جن کے حصے (قرآن میں) مقرر ہیں، وہ ان کو دو، جو باقی بچے تو وہ مردوں میں سے قریب ترین مرد کے لیے ہے۔''

اس حدیث میں یہ دوسری اُصولی رہنمائی دی گئی ہے کہ اصحاب

الفروض میں تقسیم کے بعد باقی مال ان لوگوں میں تقسیم ہوگا جو مردوں میں سے متوفی قریب ترین ہوگا۔اس کو اصطلاحِ شریعت میں عَصبہ کہا جاتا ہے۔

گویا قرآن میں بھی أقرب (اسم تفضیل) کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی أولی کا لفظ بولا گیا ہے جو اگرچہ بعض دفعہ أحق (زیادہ حق دار) کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن یہاں أقرب ہی کے معنی میں ہے کیوں کہ یہاں اگر دوسرے معنی مراد لیے جائیں تو پھر یہ حدیث قرآن کے بیان کردہ اُصول کے خلاف ہوجائے گی۔اس اعتبار سے قرآن کریم اور حدیثِ رسول دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وراثت کی بنیاد أقربیت (سب سے زیادہ قریب ہونا) ہے نہ کہ أحقیت (سب سے زیادہ مستحق ہونا۔)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ أقرب کے ہوتے ہوئے أبعد مستحق وراثت نہیں ہوگا۔اگر أقربیت کی بجائے أحقیت کو بنیاد بنایا جاتا تو یہ بنیاد بھی نہایت کمزور اور غیر فیصلہ کن ہوتی اور وراثت کی تقسیم نزاع وجدال کا باعث بنی رہتی۔کیوں کہ ہر وارث یا رشتے دار ہی کسی نہ کسی وجہ سے اپنا استحقاق زیادہ ثابت کرنے پر زور صرف کرتا۔کوئی بیماری کو،کوئی کاروباری نقصان یا کمی کو،کوئی زیادہ عیال داری یا زیادہ ذمے داریوں کو یا اس طرح کے دیگر اسباب و وجوہ کو اپنے استحقاق کی بنیاد بناتا جنھیں تسلیم کرنا یا کرانا فساد ذات البین اور نزاع کا مستقل باعث ہوتا،اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾[النساء:۱۱]

''تم نہیں جانتے کہ تمھیں نفع پہنچانے کے اعتبار سے کون تمھارے زیادہ قریب ہے۔''

اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔بنابریں شریعت اسلامیہ نے وراثت کی تقسیم میں انسانوں کے ظن وتخمین یا استحقاق کے دعوؤں کو بنیاد بنانے کی بجائے أقربیت کے اُصول کو اختیار کیا جس میں نزاع و جدال کا امکان نہیں۔کیوں کہ وہ رشتے واضح ہیں جن میں کوئی ابہام یا اشکال نہیں۔اور ان کے حصے بھی مقرر کردیے تاکہ مال کی کمی وبیشی میں بھی اختلاف نہ ہو۔اور باقی ماندہ مال کی دوبارہ تقسیم کے لیے بھی ایک دوسرا اُصول بیان فرمادیا تاکہ اس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہو۔

قرآن وحدیث کے بیان کردہ اسی اُصولِ اَقربیت کی رُو سے تمام علماء وفقہاء اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بیٹے اور بیٹیوں کی موجودگی میں یتیم پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں وارث نہیں ہوں گی کیوں کہ بیٹے بیٹیاں أقرب ہیں اور پوتے نواسے ان کی نسبت أبعد ہیں۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ دادا یا نانا کی وراثت کے وقت اگر یتیم پوتے یا نواسے ہوں تو ان کو اس سے محروم رکھنا نہایت سنگ دلی کا مظاہرہ ہے،اس کا حل شریعت اسلامیہ میں کیا ہے؟

اس کا ایک حل تو اگلی آیت (النساء:۸) میں ہی بیان کردیا گیا ہے کہ ورثاء میں سے جو رشتے دار وراثت کے حق دار نہیں لیکن وہ مستحق امداد ہیں تو تقسیم کے وقت ان کی دل جوئی اور ہم دردی کے طور پر انھیں بھی کچھ دو۔اسے عام طور پر اخلاقی ہدایت سمجھ کر نظرانداز کردیا جاتا ہے لیکن یہ رویہ صحیح نہیں۔کمالِ ایمان کے لیے کمالِ اَخلاق ضروری ہے اور ایک کامل الایمان یا کمالِ ایمان کی خواہش رکھنے والے کو اَخلاقی ہدایت پر بھی عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ اسے نظرانداز کردے۔

علاوہ ازیں ایک تہائی (۱/۳) مال میں وصیت کرنے کی بھی اجازت بلکہ تاکیدی حکم ہے۔جس شخص کی زندگی میں یتیم پوتوں یا نواسوں کا مسئلہ پیدا ہوجائے،اس کے لیے دو راہیں کھلی ہیں:ایک یہ کہ ان کو بہ طور ہبہ جائیداد میں سے کچھ حصہ دے دے یا مالی تعاون فراہم کردے۔اسے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اور اپنے اموال میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے بہ شرط کہ اس میں ورثاء کو اُن کے حق سے محروم کرنے کی بدنیتی شامل نہ ہو۔کسی وجہ سے اگر ایسا کرنا ممکن یا مفید نہ ہو تو دوسرا راستہ وصیت کرنے کا ہے۔ایک تہائی مال میں سے ان کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔اور ایسی حالت میں ایسے صاحبِ

حیثیت شخص کو، جس کے یتیم پوتے اور نواسے ہوں، اپنا حقِ وصیت ضرور استعمال کرنا چاہیے کیوں کہ وصیت کرنے کا حکم ہے، اسے بعض علماء نے فرض بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حزم نے اس کی فرضیت پر مدلّل بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں اُنھوں نے ایک بات تو یہ لکھی ہے:

"الوصية فرض على كل من ترك مالا."

''صاحبِ حیثیت آدمی کے لیے وصیت کرنا فرض ہے۔''

اس کی دلیل میں اُنھوں نے یہ حدیث پیش کی ہے:

((ما حق امرئ مسلم له شيء يوصي فيه، يبيت ليلتين إلا ووصيته مكتوبة عنده.)) (صحيح بخاري، رقم:۲۷۳۸، صحيح مسلم، رقم:۱۶۲۷)

''کسی مسلمان کے یہ لائق نہیں کہ اس کے پاس کچھ مال ہو جس میں وہ وصیت کرسکتا ہو تو اس کو دو راتیں بھی نہیں گزارنی چاہئیں، بجز اس حالت کے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے کا مسئلہ اتنا اہم اور عجلت طلب ہے کہ ایک مسلمان کو اس میں ذرا بھی غفلت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے اور اسے فوراً ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہیے۔ فوری طور پر تحریر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملات وصیت طلب ہوں، حزم و احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اپنے سینے میں مستور رکھنے کی بجائے وصیت کے ذریعے سے انھیں ظاہر کرکے ان پر گواہ مقرر کردیے جائیں تاکہ اگر اسے اچانک موت آجائے تو یہ فرضِ وصیت اس کے ذمے باقی نہ رہے۔

دوسری بات اُنھوں نے یہ لکھی ہے:

"فمن مات ولم يوص ففرض أن يتصدق عنه بما تيسر ولابد، لأن فرض الوصية واجب."

''جو شخص بغیر وصیت کیے مرگیا تو ضروری ہے کہ اس کی طرف سے اس کی استطاعت کے مطابق صدقہ کیا جائے، یہ ایک فرض ہے کیوں کہ وصیت کرنا فرض ہے۔''

صدقے کا مطلب یہی ہے کہ ضرورت مندوں پر اُس کے مال میں سے کچھ نہ کچھ ضرور خرچ کیا جائے۔ اور شریعت کا یہ حکم واضح ہی ہے کہ صدقے کے اولین مستحق انسان کے اپنے قرابت دار ہیں۔ اس اعتبار سے اگر مرنے والے کے قرابت داروں میں یتیم پوتے اور نواسے ہوں گے تو اس کے مال میں سے جو کچھ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا ہوگا اس کے اولین مستحق یہ یتیم رشتے دار ہی ہوں گے۔ اور یہی ہونے چاہئیں، نہ کہ کوئی اور۔

تیسری بات حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے یہ لکھی ہے:

"فرض على كل مسلم أن يوصي لقرابته الذين لا يرثون."

''ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اُن اہلِ قرابت کے حق میں وصیت کرے جو وارث نہ بنتے ہوں۔''

اس کی دلیل اُنھوں نے قرآن کی اس آیت کو بنایا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [البقرة:۱۸۰]

''تم پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ مال چھوڑ کر جا رہا ہو تو وہ والدین اور اہلِ قرابت کے لیے بھلائی کے ساتھ وصیت کرے۔''

حافظ ابن حزم فرماتے ہیں:

''یہ فرض ہے (جیسا کہ آیت سے مستفاد ہے)، تاہم اس سے ماں باپ اور وہ اہلِ قرابت نکل گئے جو وارث ہیں اور اس فرض میں صرف وہ باقی رہ گئے جو غیر وارث رشتے دار ہوں گے۔ اور جب یہ ایسا حق ہے جو ان (غیر وارث رشتے داروں) کے لیے ضروری ہے تو پھر میت کے مال میں

سے اتنا حصہ نکالنا واجب ہے جو ان کا حق ہے اگر چہ میت نے اس کے نکالنے کا حکم نہ کر کے ظلم کا ارتکاب کیا ہو۔"

حافظ ابن حزم کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر وارث رشتے دار اگر اِمداد کے مستحق ہوں اور مرنے والے نے ان کے لیے وصیت نہ کی ہو جو کہ ان کا ایک حق تھا تو اس کی یہ کوتاہی ظلم ہے۔ اس ظلم کا ازالہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے مال میں سے ضرورت مندوں کا حق ضرور نکالا جائے اور پھر باقی مال ورثاء اپنے اندر تقسیم کر لیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو المحلی: کتاب الوصایا، مسئلہ نمبر: ۱۷۵۱-۱۷۵۳)

حافظ ابن حزم کی ان تصریحات سے، جو قرآن وحدیث کی روشنی میں کی گئی ہیں، یتیم پوتوں اور نواسوں کا مسئلہ بہ آسانی حل ہو جاتا ہے کہ اول تو ہر صاحبِ حیثیت کو عطیے کے طور پر اپنی زندگی میں ہی کچھ دے دینا چاہیے۔ بہ صورت دیگر ان کی بابت ضرور وصیت کر کے دنیا سے جانا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھے۔ اور اگر مرنے والے سے اس میں کوتاہی ہو گئی ہو تو ورثاء (چچاؤں، تایاؤں اور پھوپھیوں) کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب سے پہلے اس کا ازالہ کریں اور اپنے طور پر اس کے مال میں سے ضرورت مندوں، یعنی یتیم بھتیجوں اور بھانجوں پر ایک حصہ خرچ کریں۔

عام لوگ اس میں کوتاہی کریں تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے یتیموں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا تدارک اور ازالہ کرے کیوں کہ نبی ﷺ کا فرمان:

((أنا وارث من لا وارث له .))

(أبو داود بہ حوالہ صحیح الجامع، رقم: ۱٤۷٤)

"میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔"

اس حدیث کی رُو سے ہر مسلمان حکمران کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی مملکت میں یتیموں اور بے سہارا اَفراد کی کفالت کا معقول اور آبرومندانہ انتظام کرے۔ حکومتِ وقت مال داروں کے لیے ضروری قرار دے کہ پہلے مرنے والے کے مال میں سے ثلث (۱/۳) یا مال کا مناسب حصہ یتیموں کے لیے الگ کیا جائے اور پھر مال کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔

مصر میں اس کو قانونی حیثیت حاصل ہے۔ حافظ ابن حزم کی مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں اس کے لیے قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ اور یہاں بھی مصر کی طرح کا قانون نافذ کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں غریبوں، یتیموں کی کفالت کے لیے حکومت بیت المال کا انتظام کرے جہاں سے معاشرے کے معذور اور بے سہارا اَفراد کو مدد مل سکے۔ اسلام نے یتیموں کی کفالت اور خبر گیری کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ اگر اس پر عمل درآمد ہو جائے تو ایک اسلامی معاشرے میں یتیموں کا مسئلہ نہایت خوش اسلوبی سے حل ہو جاتا ہے اور وہ صورتیں دیکھنے میں نہیں آسکتیں جو بدقسمتی اور اسلامی تعلیمات سے اِعراض کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔

بقیہ: اپنی شخصیت کو پرکشش بنائیے

منظر ہے کہ مسلمانوں کے تہذیبی، تمدنی، سماجی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حالات اخلاقیات کی روح فنا کر بیٹھے ہیں۔ رذائل کی ہوش رُبا گھٹائیں ماحول پر ایسے سایہ فگن ہوئیں کہ اَخلاق حسنہ کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔

بداَخلاقی کا یہ بدترین دور بتا رہا ہے کہ یہ اُمت روز بہ روز زوال پذیر نظر آتی ہے۔ دورِ جدید میں سب سے پہلے اس بات کی شدت سے ضرورت ہے کہ ہم سب آپ ﷺ کے اقوال واَفعال اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ کی اخلاقی شمعیں روشن کر کے دنیائے جہالت کو اسلام کی اَخلاقی اقدار سے متعارف کرائیں۔ اسی میں اس پوری قوم کی فلاح وکامرانی اور نجات مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِخلاصِ عمل اور اسوۂ حسنہ سے استفادے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

روح کو چمکا خودی کو توڑ کر زینے بنا
دو یہ تدبیریں ہیں دنیا میں اُبھرنے کے لیے

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ③

تصوف نقل وعقل کی روشنی میں

ڈاکٹر ابراہیم بن محمد البریکان ترجمہ: صہیب حسن فضل حق مبارک پوری

اعتقادی جہت سے ابن تیمیہ ؒ کے خیال میں صوفیوں کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ السلفیۃ:

ان میں کبار صوفی شیوخ، جیسے: جنید بن محمد اور فضیل بن عیاض وغیرہ شامل ہیں۔ ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

''صوفیوں کے ان اکابرین مشائخ سے جو باتیں صحت کے ساتھ ثابت ہیں وہ ان عقائد ونظریات سے موافقت رکھتی ہیں جس پر سلف صالحین گامزن تھے۔''

(الاستقامۃ لابن تیمیہ: ۱/۸۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: یہ بات صحیح ہے کیوں کہ ان ائمہ مشائخ کا کلام جو اُمت میں صدق وصفا سے باوصف سمجھے جاتے ہیں اور یہ لوگ اس عقیدۂ توحید کے حامل تھے جو سلف اور تمام اہل سنت کا عقیدہ تھا جس میں تشبیہ وتمثیل اور کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں پایا جاتا تھا۔'' (مصدر سابق: ۱/۹۰،۹۱)

قشیری کے قول کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

''جان لو کہ اس گروہ کے مشائخ نے اپنے معاملے کی بنیاد توحید کے صحیح اُصولوں پر رکھ کر اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ کرلیا اور سلف اور اہل سنت کی بے تمثیل و بے تعطیل توحید کو اپنا مسلک بنایا۔'' (الاستقامۃ لابن تیمیہ: ۲/۱۴)

متصل اسانید سے کبار شیوخ سے ایسی باتیں منقول ہیں جو توحید کے مقررہ اُصولوں کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں، سہل بن عبداللہ التستری ؒ نے فرمایا:

''اتباع سے خالی عمل میں نفس کی عیش پرستی ہے اور اتباع کے ساتھ علم (اصل عبارت کے پیش نظر ترجمہ میں لفظ ''علم'' باقی رکھا گیا ہے ورنہ سیاق بتلاتا ہے کہ یہاں ''عمل'' کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ مترجم) میں نفس کی مشقت ہے۔''

(مصدر سابق: ۲/۱۴۱)

اور فرماتے ہیں:

''ہر وہ وجد جس کی کتاب وسنت میں شہادت نہیں ملتی وہ باطل ہے۔'' (مصدر سابق: ۱/۹۰،۹۷)

جنید بن محمد فرماتے ہیں:

''جس نے قرآن نہ پڑھا اور حدیث لکھنے کا کام کیا دین کے معاملے میں اس کی اقتدا نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ ہمارا علم کتاب وسنت کے ساتھ مقید ہے۔'' (مصدر سابق: ۲/۱۴۱)

احمد بن ابوالحواری فرماتے ہیں:

''جس نے کوئی بھی عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہٹ کر کیا تو اس کا وہ عمل باطل ومردود ہے۔'' (مصدر سابق: ۲/۱۴۱)

ابوسلیمان الدارانی فرماتے ہیں:

''بسا اوقات باریکیوں میں سے کوئی باریکی میرے دل میں چند دن تک کھٹکتی ہے تو میں اس کو دو شاہد عدل؛ کتاب وسنت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔'' (مصدر سابق: ۱/۹۰،۹۷)

''ابوحفص نیشاپوری فرماتے ہیں:

''جس نے اپنے اقوال وافعال کو کتاب وسنت کے میزان پر

نہ پرکھا اور اپنے دل میں آنے والی غلط باتوں کو متہم نہ کیا تو وہ لوگوں کی فہرست میں شمار کیے جانے کے لائق نہیں۔''
(مصدر سابق:۱/۹۰،۹۷)

ابوعثمان فرماتے ہیں:
''جس نے قولاً وفعلاً سنت کو اپنے اوپر جاری کیا، اس کی زبان سے حکمت ودانائی کی باتیں نکلتی ہیں۔ اور جس نے قولاً وفعلاً اپنے اوپر خواہشات کو جاری کیا، اس کی زبان سے بدعت کی باتیں ہی نکلتی ہیں۔'' (مصدر سابق:۱/۹۵-۹۷)
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا﴾[النور:٥٤]
''ہدایت تو تمھیں اسی وقت ملے گی جب رسول کی ماتحتی کرو۔''
فضیل کے شاگرد ابوبکر فرماتے ہیں: میں نے فضیل بن عیاض کو فرماتے ہوئے سنا:
''ہمارے لیے یہ روا نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی کیفیت کا تصور پیدا کریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہایت بلیغ انداز میں اپنا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:
﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾[الإخلاص:١]
اللہ تعالیٰ کے اپنے اس بیان کردہ وصف سے زیادہ کوئی بلیغ وصف نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح نزول، ضحک، فخر ومباہات اور اطلاع، یہ ساری صفات اس کی منشا کے مطابق اس سے صادر ہوتی ہیں، لہٰذا وہ جس طرح چاہتا ہے مباہات کرتا، ضحک فرماتا اور مطلع ہوتا ہے، پس ان صفات کی کیفیت کا خیال دل میں لانا ہمارے لیے کسی طرح روا نہیں۔ چنانچہ جب بھی کوئی جہمی (منکر صفات) کہے کہ میں اس رب کا انکار کرتا ہوں جو اپنی جگہ سے ہٹتا ہے تو تم کہہ دو کہ میں اس رب پر ایمان رکھتا ہوں، جو وہ چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔''

عمر بن عثمان مکی فرماتے ہیں:
''توحید میں شک، صفاتِ رب میں تشبیہ وتمثیل یا انکار وجود اور ان میں ہیر پھیر، یہ بڑے شیطانی وسوسے ہیں۔''
پھر فرماتے ہیں:
''ہر وہ حسن وجمال یا روشنی وچمک یا اشراقی وجمالی اشیاء یا کوئی حقیقی یا غیر حقیقی شکل وصورت جس کا تصور تمھارے دل میں آتا ہے یا جس کا خیال تمھاری رگ فکر میں پیدا ہوتا ہے یا جس کا واہمہ تمھارے قلب میں لاحق ہوتا ہے۔ جان لو! (اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی آغوش رحمت میں لے) کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کے برعکس ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سب سے عظیم، سب سے بزرگ تر اور سب سے بڑا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا: ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ﴾[الشوریٰ:١١] ''اس (اللہ) جیسی کوئی چیز نہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [الإخلاص:٤] ''اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔'' اگر تم ان آیتوں کو مضبوطی سے تھام کر شیطان سے گوشۂ عافیت اختیار کرلو گے تو وہ تعطیل صفات کی راہ سے تمھارے پاس آئے گا اور تم سے کہے گا کہ جب اللہ تعالیٰ فلاں چیز سے موصوف ہے اور اس کی فلاں صفت ہے تو اس کے لیے تشبیہ واجب ہو گئی تو تم اس کو جھٹلا دو۔ کیوں کہ وہ ملعون تمھارے پایۂ ثبات میں لغزش پیدا کرنا اور تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہے اور ان ملحدین کی صفوں میں داخل کرنا چاہتا ہے جو کجی اختیار کرنے والے اور صفات رب کا انکار کرنے والے ہیں۔''
(الرسالة الحموية، ص: ۱۳۷، ۱۳۸)
امام ابوعبداللہ محمد بن خفیف اپنی کتاب ''اعتقاد التوحيد بإثبات الأسماء و الصفات'' میں لکھتے ہیں:
''انصار ومہاجرین کے اقوال اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے اسماء وصفات وقضاء وقدر کی معرفت میں قولاً یکساں اور شرعاً

ظاہر وباہر ہیں، وہی لوگ رسول اللہ ﷺ سے ان اُمور کے ناقل ہیں۔''

آگے لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام میں کسی طرح کا اختلاف نہ تھا انھیں لوگوں سے ہمیں اخذ کرنے کا حکم دیا گیا، بحمداللہ ان کے درمیان توحید اور اسماء وصفات کے تعلق سے اُصول دین میں کسی طرح کا اختلاف نہیں پایا جاتا جس طرح فروعی مسائل میں ان کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے۔ اگر اس سلسلے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوتا تو ہم تک ضرور نقل کیا جاتا جس طرح دیگر اختلافات نقل کیے گئے، اس لیے کہ اس کی صحت خاص وعام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ثابت تھی یہاں تک کہ اُنھوں نے اس کو اپنے تابعین تک پہنچا دیا، اس طرح اس کی صحت معروف علماء کے نزدیک ثابت ہوگئی۔ یہاں تک کہ لوگ اس کو قرناً بعد قرنٍ نقل کرتے رہے، اس لیے کہ اُصول دین میں اختلاف کفر سمجھا جاتا ہے۔ یہ محض اللہ کا احسان ہے۔'' (مصدر سابق: ۱۳۳،۱۳۴)

امام ابومحمد عبدالقادر بن عبداللہ الجیلی نے الشیخ علی بن ادریس سے سوال کرتے ہوئے کہا: اے پیرومرشد! کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے عقیدے کے برخلاف اللہ کا کوئی ولی ہوسکتا ہے؟ تو اُنھوں نے کہا: نہ تھا اور نہ ہوسکتا ہے۔

۲۔ اشعری صوفی:

یہ لوگ عقائد کے معاملات میں اشعریت پر گامزن رہے جس کی بنیاد تاویل وتحریف، صفات فعلیہ پر ایمان نہ رکھنے اور بعض صفات خبریہ وذاتیہ، جیسے: چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں آنکھ وغیرہ وغیرہ، کے انکار پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کمال ہیں۔ ان لوگوں کے یہ قول اللہ تعالیٰ بلاحروف واَصوات کے کلام فرماتا ہے اور حروف واَصوات قدیم نہیں ہیں، نیز وہ مصحف جو مسلمانوں کے سامنے ہے وہ کلام اللہ سے عبارت ہے اور اللہ جل شانہ کا کلام محض کلام نفسی ہے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا طبقہ ابوالقاسم قشیری اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ ابوالقاسم قشیری نے اس عقیدے کو اپنے شیخ ابوبکر بن فورک اور دوسرے شیخ ابواسحاق اسفرائینی سے لیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس عقیدے کا بیشتر حصہ سلف اور اہل سنت وجماعت کے اُصول کے موافق ہے لیکن اس میں کچھ خامیاں ہیں کیوں کہ اس میں بعض ایسی چیزوں کا ترک پایا جاتا ہے جس پر سلف گامزن تھے اور بعض ایسی زیادتیاں پائی جاتی ہیں جو طریقہ سلف کے برخلاف ہیں۔'' (الاستقامۃ: ۱/ ۸۵،۸۶)

قشیری فرماتے ہیں:

''جن مشائخ کی ہمیں معاصرت حاصل رہی اور جن کو ہم نے پایا اگرچہ ان سے ہم کو ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔''

پھر ان میں سے چند کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''یہ مشائخ ابوالعباس القصاب جیسے لوگ ہیں جن کی فن حدیث اور اشعری وکلابی طریقے کی مخالفت میں مشہور تصانیف ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، اسی طرح مسلمانوں کے تمام اگلے پچھلے شیوخ ہیں جن کا اُمت میں صدق وصفا کا مقام ہے۔'' (الاستقامۃ: ۱/۸۲)

ابوبکر بن قوام اپنے پوتے محمد سے کہتے ہیں:

''جب تمھیں فلاں علاقے کے متعلق یہ خبر پہنچے کہ اس میں کوئی مومن یا ایک صالح موجود ہے تو تم اس کی تصدیق کر لو۔ اور جب تمھیں یہ خبر دی جائے کہ اس میں اللہ کا کوئی ولی ہے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو۔ محمد کہتے ہیں: تو میں نے کہا: جناب! ایسا کیوں؟ تو اُنھوں نے کہا: اس لیے کہ وہ تمام لوگ اشعری ہیں۔'' (مصدر سابق: ۱/۸۲،۸۸)

عبداللہ ارمینی نے اپنے بیٹے ابراہیم سے کہا اور ابراہیم کے یہ قول

ایک معلّم انھیں اشعری عقیدہ پڑھاتا تھا:

''میں نے زمین کا چکر لگایا اور اللہ تعالیٰ کے چند ولیوں کے ساتھ مجھے رہنے کا موقع بھی ملا لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی اشعری عقیدے پر نہیں پایا۔''

(مصدر سابق: ۱/۸۲، ۸۸)

۳۔حلولی اور اتحادی صوفی:

یہ دونوں حلول واتحاد کی طرف منسوب ہیں۔حلول کا مطلب یہ ہے کہ دو ذاتوں میں سے ایک، دوسری کے لیے ظرف و برتن ہو جائے۔ان کے مذہب کی حقیقت یہ ہے کہ کائنات کا وجود عین اللہ تعالیٰ کا وجود ہے اور اس (کائنات) کا وجود اللہ کے وجود کا غیر نہیں ہے بلکہ اس (اللہ) کے سوا دنیا میں کچھ ہے ہی نہیں۔

یہ لوگ اسم ''حلول'' کو پسند نہیں کرتے کیوں کہ یہ لفظ دو ایسی ذاتوں پر مشتمل ہوتا ہے جن کے درمیان مغایرت پائی جاتی ہے اور یہ ان کے نزدیک تشبیہ اور دو (۲) موجودین کا اثبات ہے: پہلا حلول کرنے والا حق کا وجود ہے، دوسرا وجود مخلوق ہے جس میں حلول کیا جاتا ہے۔اور یہ لوگ دو وجود کو مطلق تسلیم نہیں کرتے۔(مجموعۃ الرسائل والمسائل: ۴/۹۴)

عین یہی قول ان جہمیہ کا بھی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔(مجموعۃ الرسائل والمسائل: ۴/۹۴)

دو (۲) اسباب سے انھیں اتحادیہ کہا جاتا ہے:

ا:...... پہلا سبب: جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔کیوں کہ ان کے اتحاد کا عقیدہ، اِقتران کے وزن پر ہے اور اِقتران ایسی دو چیزوں کو چاہتا ہے جن میں سے ایک دوسری کے ساتھ متحد ہو۔حالانکہ وہ دو (۲) وجود کا اقرار کبھی بھی نہیں کریں گے۔(مجموعۃ الرسائل والمسائل: ۴/۹۴)

۲:...... دوسرا سبب: وہ اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں کہ کثرت وحدت میں بدل جاتی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے قول کی بنا اس پر ہے کہ تمام مخلوقات ومصنوعات کا وجود حتی کہ جن وشیاطین، فساق، کتے، سور، نجاستیں، کفر وفسق اور عصیان، عین رب العالمین کا وجود ہیں۔اور مخلوقات ومصنوعات کا وجود اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات سے انفصالی وامتیازی حیثیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ (ان کا وجود) اللہ کا مخلوق اور اسی کا مربوب اور اسی سے قائم ہے۔وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ساری کائنات میں حس وعقل کی وجہ سے ظاہری طور پر فرق اور کثرت پائی جاتی ہے، اس لیے انھیں کثرت کو دُور کرنے والی ایک جمع اور تمام کائنات کو ثابت مانتے ہوئے ان فروق کو دور کرنے والی وحدت کی ضرورت پیش آئی۔(مجموعۃ الرسائل لابن تیمیہ: ۴/۹۴)

اس نظریے کو اُنھوں نے تین طرح سے تعبیر کیا ہے:

ا: ابن عربی اور اس کے ہم نواؤں کا نظریہ۔جو دو بنیادوں پر قائم ہے:

پہلی بنیاد: ''معدوم، عدم میں ثابت شے ہے۔''

(مجموعۃ الرسائل لابن تیمیہ: ۴/۹۴)

لہٰذا کائنات عدم میں اپنی ذوات کے ذریعے تمیز اور وجود حق کے ساتھ متحد ہے۔(نفس مصدر: ۴/۶، ۱۷)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس سلسلے میں ابن عربی معتزلہ اور رافضہ سے متاثر نظر آتا ہے کیوں کہ پہلا وہ شخص جس نے یہ کہا کہ ''معدوم، عدم میں ثابت شے ہے''، ابوعلی الجبائی کا استاد ابوعثمان الشحام ہے۔اگرچہ وہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اعیان کو وجود بخشا اور اعیان عین اللہ کا وجود نہیں۔(مجموعۃ الرسائل لابن تیمیہ: ۴/۶، ۱۷)

ابن عربی کے قول کی بنیاد اس پر ہے کہ ماہیت عین وجود ہے اور ذہن میں موجود ماہیت، مشاہدے میں آنے والے موجود کا عین ہے۔ اس طرح وہ ماہیت جو ذہن میں مشترک ہوتی ہے وہی خارج میں موجود شخص کا عین ہو جاتی ہے۔اور وجود، قدیم وحادث کا، عام وصف اور ان کا اسم جنس ہے، اس لیے ذہنی اور مشاہدے میں آنے والی چیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔(جاری ہے)



تعلیم وتربیت

اپنی شخصیت کو پُرکشش بنائیے

(اسلام کے نظام اخلاق کو اپنائیے)

پروفیسر مولا بخش محمدی

دنیا میں ہر فرد کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ عوام میں مقبول اور منفرد شخصیت کا مالک بن جائے اور لوگ اس کے گرویدہ ہوجائیں۔ اُس کا کلام، اُس کی گفتار اور کردار دوسروں سے ممتاز ہو۔ اور اُس کی ہر بات توجہ سے سنی جائے۔ اگر فی الحقیقت آپ ایسی شخصیت بننا چاہتے ہوں تو آپ کو قرآن وسنت سے استفادہ کرنا ہوگا۔

ضروری ہے کہ آپ اپنے لباس اور اندازِ نشست وبرخاست وغیرہ کو ہمیشہ ماحول اور موسم کے مطابق رکھیں، مثلاً: موسم گرما میں ہلکے رنگ کے اور سفید کپڑے اور سردیوں میں قدرے گہرے رنگ کا لباس زیب تن فرمائیں۔

اسی طرح آپ کی چال ڈھال اور طور اَطوار کا مناسب ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر کام بڑی نفاست اور وقار سے انجام دیں۔ چلتے وقت آپ کا ہر قدم کبر وغرور سے پاک اور عاجزی وانکساری سے اٹھنا چاہیے۔ اسی طرح آپ اُٹھنے بیٹھنے کے انداز میں ادب، احترام اور عمدہ تہذیب ہونی چاہیے۔

گفتار میں انتہائی محتاط رہیں۔ اعتدال کا پہلو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ انتہائی تیز اور جارحانہ گفتگو سے اجتناب کریں۔ جو بات کریں ٹھہر کر اور دھیمے انداز میں کریں۔ جھوٹ، کسی کی بُرائی، خوشامد، چغلی، گالم گلوچ اور بدکلامی سے حتی المقدور بچنے کی کوشش کریں۔ دورانِ گفتگو ہمیشہ لفظوں کا انتخاب انتہائی سوچ سمجھ کر کریں، اچھی اور عمدہ گفتگو یقیناً آپ کی نیکیوں میں اضافے کا باعث ہوگی۔ اور آپ کی بلند شخصیت کی آئینہ دار ہوگی۔

بلاشبہ قوت گویائی اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات میں سے ایک ہے۔ اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کرنے کی ایک تو صورت یہ ہے کہ زبان سے نرم اور اَحسن انداز میں سچی اور حق کی بات کہی جائے، نیکی کا حکم کیا جائے اور بے حیائی اور بُرائی سے منع کیا جائے۔ چونکہ ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ عند اللہ محفوظ ہوجاتا ہے جس کا حساب روزِ محشر لیا جائے گا۔ اور زبان کی معمولی فروگزاشت پر بھی انسان کی گرفت ہوگی۔

آپ ہی کی طرح دوسرے افراد کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُن کو اہمیت دی جائے، لہٰذا لوگوں کو اُن کے مرتبے ومقام کے مطابق اہمیت دیجیے، یہ عمل آپ کی شخصیت میں ایک مثبت اور قابل تعریف تبدیلی لائے گا۔ لوگوں سے پُرخلوص محبت اور انکساری سے پیش آئیں، تواضع سے لوگوں کا دل جیتنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

ہمیشہ منافقت سے بچتے ہوئے اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھیں۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر دہرے پن سے دور رہیں۔ یہ کسی طور بھی مناسب نہیں کہ گھر سے باہر تو آپ منہ پر مسکراہٹ سجائے نظر آئیں مگر اپنے اہل خانہ سے خشونت آمیز انداز میں بات کریں۔ سب سے بہتر اور اچھا وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے اچھا ہو۔

جو لوگ موقع ومحل کی مناسبت سے بولتے ہیں اور اپنی بات کی اہمیت وافادیت کو پیشِ نظر رکھ کر گفتگو کرتے ہیں اور وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ آپ بھی کوشش کر کے کم الفاظ میں اپنا مدعا بیان کرنے کا سلیقہ سیکھیں۔ اور مخاطب کی بات کو مناسب حال اہمیت دیں۔ جو لوگ بلاوجہ اور بلاضرورت بولتے ہی رہتے ہیں اور کسی کی سننے کی کوشش نہیں کرتے تو ایسے لوگوں سے جلد اُکتا جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ایک اور بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ بات بات پر منہ پھاڑ کر قہقہہ لگانے سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور فکرِ عقبیٰ ختم ہوجاتا ہے اور انسان صرف دنیا ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ جب کہ ہنس مکھ انسان

بہت جلد لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ کیوں کہ بہ کثرت ہنسی مذاق ہماری شخصیت کو داغ دار کر دیتا ہے اور ہلکی، خوش گوار اور خوب صورت مسکراہٹ چہرے کی زینت بن جاتی ہے۔ مسکراہٹ ایک ایسا تحفہ ہوتی ہے جو اپنے بھائی کو ہر ایک شخص بہ آسانی دے سکتا ہے، خواہ وہ مفلس ہو یا غنی۔

ہر بات کو صرف منفی انداز ہی میں سوچنے اور دوسرے کے متعلق بے جا شکوک وشبہات سے حتی الامکان بچیے۔ ہمیشہ اچھا سوچیں اور دوسروں کے متعلق اچھا گمان رکھیں۔ غیبت کرکے اپنی شخصیت کو متنازع بنانے سے گریز کریں اور کسی بھی چیز کو منفی انداز سے بیان کرنے کی بجائے اس کے اصلاحی پہلو کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ تجسس، ریاکاری، بدظنی، بہتان بازی اور بدکلامی سے ہمیشہ اجتناب کریں۔ شرک، کفر، فسق وفجور، بدکاری، جھوٹ اور فریب تو انسان کے لیے بدنُما سیاہ داغ ہیں، ان سے اپنے دامن کو ہمیشہ بچائے رکھیے کہ اسی میں دنیا وعقبیٰ کی کامرانی پنہاں ہے۔

انسان کی بھی کچھ عجیب عادت ہے۔ وہ دوسروں کے عیبوں اور برائیوں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے لیکن اپنے گریبان میں جھانکنے کی زحمت نہیں کرتا۔ دوسروں کے دامن اخلاق پر دھبا تو بروقت دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی زندگی کے تاریک اور گھناؤنے مناظر سے آنکھیں موند لیتا ہے۔ افسوس کہ تُو خود زندگی کے مایوس کن منجدھار میں بہتی ہوئی پاپوں سے بھری نازک ناؤ میں بیٹھ کر دوسروں پر تنقید تو کرتا ہے لیکن اپنے انجام سے بے خبر رہنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ اسی عیب جوئی کی عادت کے سبب محسن اَخلاق ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ لوگوں کے عیب بیان کرنے سے تجھے یہ بات روک دے کہ یہ عیوب تو میرے اندر بھی موجود ہیں۔

بہ قول علامہ اقبال ؎

تجھے کیوں فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی
تُو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کر لے

بہرحال دنیا جانتی ہے کہ علم سے بڑھ کر کوئی بزرگی اور عزت و مرتبہ نہیں۔ علم انسانیت کو اَخلاق کی تربیت دیتا ہے۔ ہادیِ برحق ﷺ کی عادات واَطوار، سیرت ومزاج اور طبیعت میں ایسا اعتدال پایا جاتا تھا جس کی نظیر ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اگر آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے حامل نہ ہوتے تو اپنے خلق عظیم کے چشمۂ شیریں سے جزیرۃ العرب کی سنگلاخ زمین کے اُجڈ اور اکھڑ انسان کبھی راہ راست پر نہ آتے اور ایک جھنڈے تلے کبھی اکٹھے نہ ہوتے:

''(اے میرے نبی ﷺ!) اگر تُو بد خلق، سخت دل ہوتا تو یقیناً وہ تیرے گرد سے منتشر ہو جاتے۔'' (آل عمران: ۱۵۰)

پیار ومحبت، خوشی ومسرت، غصہ ونفرت اور غیظ وغضب یہ تمام جذبات انسانی زندگی کا حصہ ہیں۔ مناسب طریقے سے ان کا اظہار انسان کو ایک کامیاب شخص بناتا ہے، یعنی معاشرے میں وہی شخص صاحبِ اَخلاق کہلاتا ہے جو اپنے جذبات واحساسات کا مناسب موقع پر اظہار کرے۔

ان تمام انسانی جذبات میں سنگینی کے اعتبار سے غصہ ہی نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں عموماً شر کا پہلو غالب رہتا ہے۔ یہ نہ صرف انسانی عقل کو وقتی طور پر مفلوج کر دیتا ہے بلکہ انسان کے حواس کو بھی معطل کر دیتا ہے۔ غصہ انسان کو بے قابو بنا کر اسے جامۂ انسانیت سے باہر کر دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ''غصہ کی ابتدا حماقت اور انتہا ندامت پر ہوتی ہے۔''

غصے کی مذمت ایک حدیث میں یوں بیان کی گئی ہے:

''غصہ ابن آدم کی دل میں آگ کا ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ غصے میں اس کی آنکھیں لال اور رگیں پھول جاتی ہیں۔ جس کو اپنے غصے کا احساس ہو اُسے چاہیے کہ وہ زمین پر بیٹھ جائے۔'' (جامع ترمذی)

غصے پر قابو پانا، غیظ وغضب کی حالت میں صبر کرنا اور قدرت کے باوجود کسی سے انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا متقین کی بنیادی صفات میں شامل ہے:

''وہ اپنے غصہ کو دبا لیتے ہیں، لوگوں کے قصور معارف کر دیتے

ہیں اور اللہ نیک عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''
(آل عمران:۱۳۴)

دورِ جدید میں جس اخلاقی بیماری نے چمنستان اَخلاق کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اُسے ''کینہ پروری'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے سورۂ حشر میں اپنے مومن بندوں کی یہ دعا بہ طورِ خاص ذکر فرمائی جو وہ خالق کون ومکان سے کرتے ہیں:

''اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو اہل ایمان کے بارے میں ہر قسم کے کینے سے بچالے۔'' (الحشر:۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آپس میں ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور ایک دوسرے کا عیب تلاش نہ کرو۔ بلکہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دنوں سے زیادہ جدائی رکھے۔'' (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترمذی شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک دن حضور پاک ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ میں تمھیں ایک ایسی عبادت کے بارے میں نہ بتاؤں جو روزہ، نماز اور صدقہ وزکات سے بھی زیادہ افضل ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ضرور بتلائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔

کینہ پروری کے خلاف کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن
کفر است در شریعت ما کینہ داشتن

بلاشبہ اسلام محبت، اخوت اور ہم دردی کا مذہب ہے۔ قرآن حکیم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے خطاب سے سرفراز کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ رحم سے پیش آیا کرتے تھے۔ یہ وہی عرب ہیں جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے تھے، قتل وغارت، لوٹ مار اور انتقام در انتقام اُن کا معمول تھا کہ اچانک مجسم رحمت ﷺ آفتاب عالم تاب کی طرح اُفق حجاز پر طلوع ہوا اور اپنے ساتھ ایسی تاب ناکی لے کر آیا کہ صدیوں سے تاریک دل اُس کی ضیا پاشیوں سے بقعہ نور بن گئے۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ ہدیٰ ملی۔ خوابِ غفلت میں سوئے ہوؤں کو بے داری ملی۔ پھر وحشی امنِ انسانیت کے کفیل بن گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے پیام محبت سے ایسی جوت جگائی کہ پوری ملت کا دل ایک ساتھ دھڑ کنے لگا۔

اسلام کا نظریہ اخلاق انتہائی واضح ہے۔ اچھے اخلاق ایک مسلمان کی پہلی پہچان ہیں کہ آپ دوسروں کے لیے سرتا پا خیر خواہ ہوں۔ دوسروں کے لیے آپ کے دل میں محبت کا دریا موج زَن ہو۔ آپ کے دل میں نفرت اور حقارت نہ ہو، یعنی دوسروں کی ترقی دیکھ کر آپ کے اندر جلن کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ اور دوسروں کو بُرے حال میں دیکھ کر انھیں نظر حقارت سے نہ دیکھیں۔ دوسروں کا خیر خواہ بننے کی نشانی یہ ہے کہ آپ دوسروں کے لیے وہی پسند کریں جو خود اپنے لیے پسند فرماتے ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ دوسروں کی زبان سے آپ اپنے بارے میں بُرے الفاظ نہ سنیں تو آپ اپنا رویہ ویسا بنالیں جیسا رویہ دوسروں کا اپنے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

اَخلاق حسنہ کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ اپنے اندر دوسروں کے لیے فیاضی اور اعلیٰ ظرفی کے جذبات پیدا کرلیں اور دوسروں کی سخت بات بھی برداشت کرتے ہوئے ان کے ساتھ نرم گفتگو کریں۔ اَخلاق حسنہ اس بہتر سلوک کا نام ہے جس میں شرافت، خیر خواہی، اعلیٰ ظرفی اسپرٹ نظر آئے۔ بلند اخلاق والا انسان وہ ہے جس کی زندگی سورج کی روشنی اور پھول کی مہک جیسی ہو کہ ہر کوئی، اچھا یا بُرا، ان سے مستفید ہوتا ہے۔

مثالی معاشرے کے لیے حُسنِ خلق اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس معاشرے میں اچھا اخلاق رواج پا جائے اس سے بہتر معاشرہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اور اسلام نے اس کی بالخصوص تلقین کی ہے۔

لیکن صد افسوس کہ دور حاضر کے مسلمان کی زندگی کا ہر پہلو، ہر گوشہ، ہر زاویہ اور شعبہ، اَخلاق کے ایک لمعہ کو ترستا ہے۔ کیا جگر خراش

(باقی صفحہ نمبر ۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

نقطۂ نظر

قیام پاکستان کا مقصد......!

عطاء محمد جنجوعہ

مسلم لیگ کی جدوجہد سے پاکستان کو آزادی حاصل کیے ہوئے پون صدی گزر گئی تا حال قانون سازی میں قرآن وسنت کو اتھارٹی تسلیم نہیں کیا گیا، ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

تقسیم ہند سے قبل برصغیر میں ہندو اور مسلمان آباد تھے۔ برطانوی حکومت کا سیکولر قانون ملک میں رائج تھا۔ متحدہ ہندوستان کی آزادی کی ترجمان کانگریس کے منشور میں عوامی قانون کے نفاذ کا وعدہ تھا۔ اگر پاکستان نے آزاد ہو کر سیکولر آئین تشکیل دینا تھا تو تحریک پاکستان میں مسلم لیگ کی طرف سے علیحدہ ریاست کا مطالبہ، چہ معنی دارد؟

تقسیم ہند کے دوران ہندو سکھ بلوائیوں نے مہاجرین کے قافلوں پر حملے کیے۔ پانچ لاکھ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ اُنھوں نے ۸۰ ہزار عورتوں کو اغوا کیا گیا اور آزادی کے تیسرے دن عید الفطر کے موقع پر ہندوستان سے لاہور آنے والی مال گاڑی کے ڈبے میں مسلمان عورتوں کے کٹے ہوئے مخصوص اعضاء، معصوم بچوں کی گردنیں اور کٹے ہوئے ہاتھ تھے۔ اس ڈبے کے باہر ''عید کا تحفہ'' لکھا ہوا تھا۔ اگر قیام پاکستان کا مقصد سیکولر سٹیٹ کا قیام تھا تو سوچنے کی بات ہے کہ کیا پچاس لاکھ مہاجر مسلمان ذہنی طور پر مفلوج تھے جو ایک سیکولر ملک سے گھر بار، جائیداد چھوڑ کر اور اعزاء و اَقارب کا جانی نقصان برداشت کرتے ہوئے ایک دوسری سیکولر ریاست میں آ رہے تھے......!!!

تقسیم ہند سے قبل برصغیر کے متعدد صوبوں میں مسلمان کثرت سے آباد تھے۔ اعتراف حقیقت یہ ہے کہ وہ متحدہ ہندوستان کی آزادی کی صورت میں حکومت قائم نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ مجموعی لحاظ سے برصغیر میں ہندو اَکثریت میں تھے، تاہم وفاق میں مسلمانوں کو ایک تہائی نمائندگی ملنے کا امکان تھا۔ اور چند ریاستوں میں صوبائی حکومتیں قائم کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے وہ ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کے جانی و مالی حقوق کا بہتر دفاع کر سکتے تھے کیوں کہ ایک ملک کے شہریوں کے لیے باہمی تعاون کرنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن آزادی کے بعد پاکستان کے مسلمان بین الاقوامی قانون کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں کی معاونت نہیں کر سکتے۔ خدانخواستہ قیام پاکستان کا مقصد عوامی آئین تشکیل دینا اور برطانوی قانون کو رائج کرنا تھا تو اقلیتی مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا کیا مقصد؟ تحریک پاکستان کے دوران ان اقلیتی مسلمانوں کو تحریک میں حصہ لینے کا کیا فائدہ؟ جب مسلم لیگ نے بھی آزادی کے بعد سیکولر آئین تشکیل دینا تھا تو پاکستان کی پکار کا کیا مقصد؟

اگر تحریک پاکستان کا مقصد سیکولر نہیں، اسلامی قانون کی حکمرانی تھا اور یقیناً یہی تھا تو پون صدی گزرنے کے باوجود قرآن وسنت کو سپریم لا کی حیثیت کیوں نہیں دی گئی۔ تحریک پاکستان کے دوران کیے گئے وعدے کو پورا کرنا ہر صاحب اقتدار کی ذمہ داری ہے۔ اگر وعدہ پورا نہ کیا گیا تو روز محشر اسّی ہزار اغوا شدہ عورتیں اور پانچ لاکھ شہداء اللہ کے دربار میں اپنی عصمت اور خون کا حساب طلب کریں گے تو اُس وقت یہ لوگ کیا جواب دیں گے؟



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

خطباتِ ومقالاتِ سیرت

مؤلف: پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ

ضخامت: ۳۱۲ صفحات۔ (مجلد، مناسب طباعت)

ناشر: کتاب سرائے، اُردو بازار، لاہور۔

تبصرۂ نگار: موہب الرحیم

سیرت النبی ﷺ پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کا دل پسند موضوع تھا جس پر آپ کی دسترس سے اہل علم بہ خوبی واقف ہیں۔ آپ کی وسیع و وقیع لائبریری (بیت الحکمۃ) میں جہاں اقبالیات وغیرہ موضوعات پر اچھا خاصہ ذخیرہ موجود ہے وہیں پچیس (۲۵) زبانوں میں اور پانچ ہزار (۵۰۰۰) سے زائد بڑی چھوٹی کتب سیرت اور جرائد موجود ہیں جن سے سیرت کے ساتھ ان کے والہانہ تعلق کو جانا جا سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ کتب کو محض جمع کرنے سے زیادہ بڑا کام اور خوبی یہ ہے کہ کتب کے مندرجات و متعلقات سے شناسائی حاصل کی جائے اور یہ خوبی آپ میں بہ درجہ اتم موجود تھی۔

سیرت النبی ﷺ سے پروفیسر صاحب موصوف کو صرف عقیدت ہی نہ تھی بلکہ آپ نے اس موضوع پر متعدد مقالات بھی سپرد قلم کیے۔ آپ کے انھی مقالات وخطبات کو طبع کرنے کا سلسلہ آپ کے فرزند گرامی جناب جمال الدین افغانی نے شروع کر رکھا ہے۔ اب تک اس سلسلے کی دو کتب شائع ہو چکی ہیں اور پیش نظر کتاب اسی سلسلے کی تیسری کڑی ہے۔

اس کتاب میں پروفیسر صاحب رحمہ اللہ کی ریڈیائی تقریریں اور بعض تحریری مقالات شامل ہیں۔ ''سیرت النبی ﷺ کے امتیازات''، ''مولانا مودودی بہ حیثیت سیرت نگار'' اور ''رشدی کی ہرزہ سرائی اور اربابِ مغرب کی پذیرائی'' مقالات اس کتاب کی جان ہیں۔ جب کہ ''فہم سیرت میں اماکن سیرت کی اہمیت'' اور ''فہارس کتب سیرت'' بھی لائق مطالعہ ہیں۔

اماکن کی اہمیت کے باوجود شروحاتِ حدیث، تفاسیر اور کتب سیرت میں اس موضوع پر خاطر خواہ کام نہیں ہوا۔ پروفیسر صاحب رحمہ اللہ نے سیرت کے حوالے سے اس پر بڑا عمدہ کام کیا ہے اور اس موضوع پر جو کتب شائع ہو چکی ہیں ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

''خطبات ومقالات'' میں سیرت النبی ﷺ کے علاوہ بھی بہت سی اہم معلومات موجود ہیں، مثلاً:

قرآن پاک میں ''عدل'' کا لفظ سترہ (۱۷) آیات میں وارد ہوا ہے۔ اور اگر اس کے مشتقات بھی شامل کر لیے جائیں تو پھر یہ لفظ چھبیس مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ (ص:۶۱)

''قسط'' کا لفظ تیئیس (۲۳) اور ''ظلم'' کا لفظ دو سو ستاسی (۲۸۷) مقامات پر آیا ہے۔ (ص:۶۱)

دنیا کی پچاس زبانوں میں دس ہزار (۱۰۰۰۰) سے زائد چھوٹی بڑی کتبِ سیرت تحریر ہو چکی ہیں۔ (ص:۲۵)

رسولِ اقدس ﷺ کے فیصلوں کو تحقیقی لحاظ سے محمد بن فرج المالکی المعروف با بن الطلاع الاندلسی (م ۴۹۷ھ) نے جمع کیا۔ (ص:۱۰۷)

اردو کی مقبول ترین تین (۳) کتبِ سیرت ہیں: ''رحمۃ للعلمین'' از قاضی سید سلیمان منصور پوری، ''سیرۃ النبی'' از علامہ شبلی نعمانی اور ''الرحیق المختوم'' از مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری۔ (ص:۱۱۳)

اُردو کی ابتدائی کتبِ سیرت نظم کی صورت میں گیارھویں صدی ہجری میں لکھی گئیں جب کہ نثر کی صورت میں یہ کتابیں بارھویں صدی ہجری کے اواخر میں تحریر ہوئیں۔(ص:۲۰۳)

لفظ ''بنیاد پرست'' کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ اس کے متعلق رقم طراز ہیں:

''وہ لوگ جو اس (گستاخیِ رسول جیسے) گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے تھے انھیں ان پادریوں کی اصطلاح میں بنیاد پرست(Fundamentalist) کہاجاتا تھا۔بنیاد پرستی کی یہ تحریک ہسپانیہ میں ''یولوجیس'' نامی راہب کی سرپرستی میں شروع ہوئی جس نے عیسائی نوجوانوں میں یہ اندھا جذبہ پیدا کیا کہ پیغمبرآخرالزمان ﷺ کے خلاف اہانت کا اظہار کر کے اگر انھیں قتل بھی کردیا جائے تو یہ ان کے تقدس اور بلند مرتبے پر فائز ہونے کی علامت ہوگی ۔ مذہبی فداکاری اور اندھے جنون کے اس جذبے کی تحریک کے بانی ہسپانیہ کے عیسائی ہیں۔''(ص:۲۷۹)

دینی لٹریچر کو زبان و بیان کی خوبی سے مزین کرنے والی شخصیات کے متعلق موصوف نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''پیش نظر رہے،ادبی لوازم کو دینی موضوعات میں کامیابی سے استعمال کرنے والی پہلی شخصیت شبلی نعمانی کی ہے۔دینی ادب کی اس رو کو ایک بحرِ مواج میں تبدیل کرنے والی شخصیت ابوالکلام آزاد کی ہے۔مگر ایک جوئے بار کی طرح سنگلاخ وادیوں سے نکلتی ،میدانوں میں اترتی اور سیرابیوں اور شادابیوں کا سامان پیدا کرتی ہوئی ادبی لہر صرف سید مودودی کے قلم سے پیدا ہوئی۔مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو مقام علامہ اقبال کو اُردو شاعری میں حاصل ہے تقریباً وہی حیثیت سید مودودی کی اُردو نثر کو میسر ہے۔اقبال نے مسلمہ قومیت کے دھاروں کو اسلامیت کے رنگ سے آشنا کیا۔ اقبال نے اسلامیت کے جس دروازے کو کھولا،سید مودودی نے اس میں داخل ہوکر ملت کے لیے اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک ایوان تعمیر کردیا۔ایوانِ ادب میں جہاں قدیم علوم کی اینٹیں چنی گئیں وہاں جدید علوم کا مسالہ بھی آپ ہی نے فراہم کیا۔''(ص:۲۲۷)

زیرِتبصرہ کتاب کا دامن جہاں غیر معمولی معلومات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے،وہیں اس کا اسلوبِ نگارش بھی انتہائی شستہ ہے۔ سیرت کا ذوق رکھنے والے بالخصوص اصحاب علم اور بالعموم عامۃ الناس،دونوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً مفید ثابت ہوگا اور ان کی معلومات میں اضافے کا باعث ہوگا۔

وصلی اللّٰہ علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم تسلیما کثیرا .

۞۞۞

تحریک ختم نبوت (جلد۱۴)

مؤلف: ڈاکٹر محمد بہاءالدین ﷾

ضخامت: ۵۴۴صفحات

ناشر: احیاءالتراث پبلی کیشنز۔بہ اہتمام مکتبہ قدوسیہ، اُردو بازار،لاہور۔

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے خلافِ حقیقت دعاوی اور غلط عقائد کی روشنی میں تمام مکاتبِ فکر کے علماء نزدیک دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

۱۸۹۱ء سے اس نے ختم نبوت میں رخنہ اندازی کا جو کام شروع کیا تھا اسے روکنے کے لیے تمام مکاتب فکر کے اہل علم و دانش نے بڑی سنجیدگی اور مدلل انداز میں اور اسے اپنا فریضہ جانتے ہوئے خدمات انجام دیں۔مرزا کا علمی تعاقب اور تغلیط صرف برصغیر کے علمائے کرام

(باقی صفحہ نمبر۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

فهرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور

۲۹۷ء۸۹۳ محمد عبدالغنی پٹیالوی

غ ۴۶ ل اِسلام اور قادیانیت، ص: ۲۳۸۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

م ۹۰۷ ش شہادۃ القرآن (حصہ اول)، ص: ۲۲۸۔ (حصہ دوم)، ص: ۱۳۲۔ مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس، لاہور۔

۲۹۷ء۸۹۳ فرزند توحید (مجموعہ ۱۱ کتب)

ف ۴۸ ع عبرت ناک موت، ص: ۱۶۔ حلال کارپوریشن، عید گاہ روڈ، بہاول نگر۔

۲۔ عبداللہ امرتسری روپڑی۔ مرزائیت اور اسلام، ص: ۶۴۔ اِدارہ دینیات، جامع قدس اہل حدیث۔

۳۔ فرزند توحید۔ مرزائی دائرہ اِسلام سے خارج ہیں، ص: ۴۸۔ بیت التوحید، کراچی۔

۴۔ فرزند توحید۔ حکومت مغربی پاکستان کے پانچ سوال اور ان کا جواب، ص: ۴۸۔ بیت التوحید، کراچی۔

۵۔ محمد سلیمان مئوی۔ تحقیق مسئلہ دجال، ص: ۴۶۔ دار المطالعہ اہل حدیث، گڑھ۔

۶۔ عبدالرحمٰن لکھوی۔ چند سوالات از محمد حسین بٹالوی، جوابات، ص: ۱۶۔ جمعیۃ اہل حدیث۔

۷۔ احمد سعید صاحب۔ مرزائی کا جنازہ اور مسلمان، ص: ۴۸۔ جمعیۃ علماءِ اسلام، گوجرانوالہ۔

۸۔ عبدالرحیم اشرف، قادیانیوں سے پہلا خطاب، ص: ۱۶۔ مطبوعہ استقلال پریس، لاہور۔

۹۔ جمعیت شبان اہل حدیث سرگودھا۔ تازیانہ عبرت، ص: ۸۔ ثنائی پریس، سرگودھا۔

۱۰۔ محمد بہاء الحق قاسمی۔ گستاخ مرزا، ص: ۸۔ سیکرٹری صیغہ اشاعت، صدر انجمن مباہلہ، امرتسر۔

۱۱۔ وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی کا اہم ترین فتویٰ، ص: ۳۲۔ شعبہ نشر واشاعت تحفظ ختم نبوت، چنیوٹ۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد ادریس کاندھلوی (مجموعہ ۵ کتب)

ل ۳۲ ک کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ، ص: ۹۳۔ مطبع قاسمی، دیوبند۔

۲۔ محمد ادریس سکروڑھوی۔ صرع النقاب عن جساسة الفنجاب، ص: ۲۶۔ مطبع قاسمی، دیوبند۔

۳۔ بدر عالم میرٹھی، الجواب الفصيح لمنكر حيات المسيح، ص: ۲۶۔ مطبع قاسمی، دیوبند، سہارنپور۔

۴۔ بدر عالم میرٹھی۔ انجاز الوفی فی لفظ التوفی، ص: ۳۶۔ (مطبع نامعلوم)

۵۔ محمد شفیع دیوبندی۔ ختم النبوۃ (حصہ اول)، ص: ۱۷۴۔ مطبع دہلی۔

۲۹۷ء۸۹۳ محمد عبدالغنی

ع ۴۶ ل اسلام اور قادیانیت؛ ایک تقابلی مطالعہ، ص: ۲۳۸، مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان۔

۲۹۷ء۸۹۳ احسان الٰہی ظہیر

ظ ۸۱ م مرزائیت اور اسلام، ص: ۲۴۰۔ ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور۔

۲۹۷ء۸۹۳ غلام احمد قادیانی

غ ۳۵ ر روحانی خزائن (۲۳ مجلدات)۔ ضیاء الاسلام پریس، ربوہ۔

جلد(۱): براہین احمدیہ(چہار حصص)،ص:۶۷۳۔
جلد (۲): ①پرانی تحریریں۔ ②سرمہ چشم آریہ۔ ③شحنۂ حق۔④سبز اشتہار،ص:۴۷۰۔
جلد (۳): ①فتح اسلام۔ ②توضیح مرام۔ ③ازالہ اوہام،ص:۶۴۷۔
جلد (۴): ①الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ②الحق مباحثہ دہلی۔ ③آسمانی فیصلہ۔ ④نشان آسمانی۔ ⑤ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات،ص:۵۰۷۔
جلد(۵): آئینہ کمالات اسلام،ص:۶۵۸۔
جلد(۶):①برکات الدعاء۔②حجۃ الاسلام۔③سچائی کا اظہار۔④جنگ مقدس۔⑤شہادت القرآن،ص:۴۰۱
جلد(۷):①تحفہ بغداد۔② کرامات الصادقین۔ ③حمامۃ البشریٰ،ص:۳۳۶۔

کمالِ آدمیت

ترا نطق وحیِ یزداں ، تری بات شرحِ قرآں
ترا نام دل کی تسکیں ، ترا ذکر راحتِ جاں
ہوئی تیری آمد آمد ، تو برائے خیر مقدم
کہیں کھل گئے گلستاں ، کہیں ہو گیا چراغاں
ہے جہانِ آب و گل میں ترے دم قدم سے رونق
تُو فروغِ بزمِ ہستی ، تو بہارِ باغِ امکاں
وہ ہے خوش نصیب جس کو ملی عزتِ غلامی
ترے در کے سب سلامی وہ فقیر ہو کہ سلطاں
تری ذات سے محبت ، ترے حکم کی اطاعت
یہی زندگی کا مقصد ، یہی اصلِ دین و ایماں
تری زندگی کا پرتو ہے کمالِ آدمیت
تری شخصیت سے قائم ہے وقارِ نوعِ انساں

(ماؔہر القادری)